نئی نسل کا معمار اور تعمیر و ترقی کا داعی

ماہنامہ

رفیقِ منزل

جلد: ۳۰ | شمارہ: ۸ | اگست ۲۰۱۷ء | شوال المکرم۔ ذی القعدہ ۱۴۳۸ھ

editor@rafeeqemanzil.com

MANAGER
Afsal Rehman 9567797094
managerrmgp@sio-india.org

Asst. MANAGER
Noorul Mubin 08447622919
asst.managerrmgp@sio-india.org

₹160 سالانہ | ₹15

D-300, Abul Fazl Enclave Jamia Nagar, Okhla New Delhi - 110025 | Tel: 26949817 | Email:managerrmgp@sio-india.org | www.rafeeqemanzil.com

Printed on behalf of The Students Islamic O rganisation ofIndia, Printer & Publisher Tanveer Alam, Printed at Bharat Offset, 2034/35, Qasim Jan Street, Ballimaran, Delhi - 110006, Published from 230, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025 | **Editor : Abul Aala Sayyed**

ڈاکٹر وقار انور

عن جندب أن رسول اللہ ﷺ حدث: أن رجلا قال: واللہ لا یغفر اللہ لفلان وان اللہ قال: من ذا الذی یتالّی علیَ أن لا أغفر لفلان: فانّی قدغفرت لفلان و أحبطت عملک أو کما قال۔ (حدیث نمبر ۲۸۹، السلسلة الصحیحة)

''جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کون ہوتا ہے جو میرے بارے میں بات کرتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا؟ میں نے فلاں کو بخش دیا اور اس شخص کے عمل کو ضائع کر دیا۔''

اس حدیث میں ایک شخص کا ذکر ہے جس نے ایک دوسرے شخص کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ اس کا یہ قول اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناگواری کا باعث ہوا اور اس نے اس شخص کے عمل کو ضائع کر دیا اور جس دوسرے شخص کے نہیں بخشے جانے کی بات اس پہلے شخص نے کہی تھی اسے بخش دیا۔ اس حدیث میں اس پہلے شخص کو جہنم رسید کرنے یا آگ میں جھونک دینے جیسے الفاظ کی جگہ اس کے عمل کو ضائع کر دینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ گرچہ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں بیان ایک ہی انجام تک پہنچاتے ہیں اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضبناک ہونا اور عتاب نازل فرمانا۔ لیکن بیان کے اس فرق میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے کہ اس شخص کے پاس اعمال صالحہ کا ایک مجموعہ تھا جو اگر ضائع نہیں کیا جاتا تو اس کے کام آتا۔ اس شخص کے لیے یہ مزید محرومی کا باعث ہوگا۔ جیسے کسی کا سب کیا کرایا برباد ہو جائے۔ ایک دوسری مشہور حدیث میں اعمالِ صالحہ کے یوں ضائع ہونے والے کو ''امت کا مفلس'' کہا گیا ہے۔

دراصل اس حدیث میں ایک اہم بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دائرہ اختیار میں دخل اندازی (Tress Pass) نہ کرے۔ اللہ کس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا، کس کا کون سا عمل قبول کرے گا اور کیا رد کرے گا یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہم اصولی طور پر قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات تو کہہ سکتے ہیں کہ ایمان وعمل صالح کا کیا نتیجہ ہوگا یا کفر کرنے کا انجام کیا ہوگا لیکن متعین طور پر بغیر دلیل کے کسی فرد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ جنت یا جہنم میں لازماً جائے گا، ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ متعین طور پر کسی شخص یا اشخاص کے مخصوص مجموعہ کے انجام کے بارے میں گفتگو کی صرف دلیل ہے کہ اس کی صراحت قرآن وسنت میں موجود ہو، مثلاً فرعون، ابولہب یا ابوجہل کا انجام بد یا انبیاء کرام، بشارت یافتہ اصحاب کرام وغیرہم کی خوش نصیبی۔

جو بات اس حدیث میں بخشش نہ ہونے کے حوالے سے کہی گئی ہے، وہی بات ایک دوسری حدیث میں جنت کی یقینی کامیابی کے حوالے سے آں حضرت ﷺ نے بتائی ہے۔ ایک بار آپ ﷺ ایک صحابی کے انتقال کے بعد ان کے یہاں تعزیت میں گئے تو ان کی والدہ نے اعلان کر دیا کہ ان کا بیٹا جنت میں یقینی طور پر جائے گا۔ آں حضرت ﷺ نے اس اعلان کو پسند نہیں فرمایا۔ مطلب یہ کہ فرد خاص کے بارے میں فیصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اختیار ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں سخت احتیاط برتنی چاہیے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے انجام کے بارے میں یقینی طور پر کوئی بات نہیں معلوم ہے۔ پھر دوسروں کے بارے میں اس موضوع پر اظہار رائے کی کیا گنجائش ہے؟ اپنے بارے میں بھی اور دوسروں کے بارے میں بھی دعا کرنے کی تعلیم شریعت نے دی ہے اور ہمیں اس پر اکتفا کرنا چاہیے۔ الفاظ کے معنی جو بھی ہوں ہم اسی دعائیہ مفہوم میں رضی اللہ عنہ یا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

یہ بات مزید یاد رکھنے کی ہے کہ شریعت دعا کرنے کی تعلیم دیتی ہے یا خاموشی اختیار کرنے کی۔ کسی شخص کے بارے میں بد دعا کرنے سے احتراز برتنا چاہیے۔ ہمیں اپنی فکر کرنا چاہیے اور دوسرے افراد خصوصاً وہ جو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے ہیں کے حق میں نیک رائے کا اظہار کرنا چاہیے۔

فکر معاش

افراد ہی کی طرح، سیاسی اور اخلاقی برتری کسی بھی قوم میں اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب کہ معاشی میدان میں وہ قوم کمزور یا کم از کم دوسروں کی دست نگر نہ ہو۔ ایک دست نگر قوم کا اجتماعی وقار مجروح اور حمیت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور اس لئے ان کے لئے حق کی بات کہنا اور اس کو منوانے کی کوشش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیاسی، تعلیمی اور اخلاقی بنیادوں پر امت مسلمہ کے دانشوران نے بڑی بحثیں کی ہیں۔ اب موقع آ گیا ہے کہ نئے پرانے تاجروں کے ذریعے اسلام کی نشاط الثانیہ کا آغاز ہو۔ امت مسلمہ ظاہر ہے کوئی مادہ پرست قوم نہیں ہے۔ ان کے اخلاق میں یہ بات شامل ہے کہ اشیاء کے بالمقابل نظریات اور قوت کے بالمقابل افراد، قابل ترجیح ہیں۔ ان کی نفسیات میں ایک مخصوص کیفیت کا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے کہ 'دولت کے حصول کا مقصد عیش و سرمستی کے بجائے خلق خدا کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے'۔ اس مقصد کو سامنے رکھنے کے دو فائدے ہیں۔ ایک، انسان خدا کی حدود میں رہ کر کام کرنے کا مزاج پیدا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک خدا کو ناراض کرنے والے تمام طور طریقے ناقابل عمل قرار پاتے ہیں۔ دو، اس کی معاشی جد و جہد کے نتیجے میں خلق خدا کی زندگی میں آسانی اور شادمانی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس معاشی جد و جہد کو وہ اس کے سپرد کردہ دین کی خدمت کا محاذ تسلیم کرتا ہے۔ اور حصول دولت کے اس عمل کے ذریعے جنت کا راستہ ہموار کرتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ معاشی نظام کے تحت اس جد و جہد کی ڈگر بہت ہی کٹھن ہے۔ کیونکہ رائج الوقت نظامِ معیشت اخلاقی بنیادوں سے عاری ہے۔ جہاں مواقع کیحصول سے لے کر ترقی کی راہوں پر چلتے ہوئے دامن کو آلودگی سے محفوظ رکھ بھی لیا جائے تو فضاء میں شامل غبار تو راہی کے لئے ناگزیر ہو ہی جاتا ہے۔ ہم جب یہ بات کہتے ہیں کہ موجودہ معاشی نظام سود پر مبنی ہے تو اس کا عملی مظہر یہ ہے کہ اس معاشی نظام میں بینک کی بہت بڑی حیثیت ہے۔ یہاں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کسی بھی تجارت کی بنیاد قرض ہے۔ اور قرض کا حصول شرح سود پر۔ اس اعتبار سے جو لوگ قرض لے سکتے ہوں صرف وہی بنیادی طور پر وسائل پر دسترس رکھیں گے۔ اور ان وسائل کا استعمال کر کے تجارت کر سکیں گے۔ اس اعتبار سے اگر حکومت، تجارت کو فروغ دینا چاہے تو اس کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ شرح سود کو کم کرے تاکہ قرض کی فراہمی آسان ہو جائے۔ معاصر معاشیات کی اس بنیادی سمجھ کے بعد ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میں قرض اور مالی وسائل کو دیگر تمام امور پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ۱۰ بڑی کمپنیوں میں ہر ایک پر واجب الادا قرض ۵۰ ہزار کروڑ سے لے کر ایک لاکھ کروڑ روپئے ہے۔ رلائنس، اڈانی اور ویدانتا گروپ میں ہر ایک، ایک لاکھ کروڑ روپیوں سے زائد کا مقروض ہے۔

لیکن اسلام! اسلام نہ تو قرض کو پسند کرتا ہے نہ ہی سود کا لینا اور دینا جائز قرار دیتا ہے۔ اس لئے معاصر معاشیات کے تحت اپنی تجارت کے فروغ کی راہیں اگر ختم تو نہیں مگر بہت محدود ضرور ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ تجارت کو فروغ ملے؟! اس کا جواب ہے، محنت اور ذہانت! مال اور دیگر وسائل کے بالمقابل اسلام محنت کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ محنت اور ذہانت کے ذریعے افراد اپنی تنگ دستی کو فراخی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق دنیا کے تمام بڑے تاجروں کے تجربوں سے بھی ہوتی ہے اور ان سے بڑھ کر صحابہ اکرامؓ کی زندگیوں سے بھی ہوتی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ذہین اور تعلیم یافتہ افراد جب تجارت کے بارے میں سوچتے ہیں تو سب سے پہلے وہ سرمایے کی فراہمی کی خاطر صرف قرض کے حصول کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور یہیں سے پوری سمت کا اور ترجیحات کا الٹا ہو شروع ہوتا ہے۔ اور مقاصد تجارت سے دور ہونا اور خدا کے غضب سے قریب ہونے کا آغاز ہونے لگتا ہے۔ اگرچہ کئی ادارے بلا سودی قرض فراہم کرنے کی کوششوں میں لگے ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ ان کو اس کام پر اجر عظیم سے نوازے۔ لیکن بلا سودی قرض کی موجودگی کے علی الرغم یہ بات ہمارے نوجوانان کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرض کے بالمقابل ان کی محنت اور ذہانت کو اسلام کی حمایت حاصل ہے۔ قرض ایک لعنت ہے اور اس سے جتنا دور رہا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔

دوسرا مسئلہ ہمارے نوجوانان کا یہ ہے کہ وہ کسی چھوٹی موٹی تجارت کو اپنے شایان شان نہیں سمجھتے۔ کسی ادارے سے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد وہ اپنی تمام کوششیں کسی دوسری کمپنی میں جاب کرنے پر صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ بنیادی طور پر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ تو نوجوان ایسے ہوں جو خود اپنی آزاد کمپنی قائم کر سکیں یا تجارت کر سکیں۔ اور ممکن ہے ان کی اس تجارتی کوششوں کے ذریعے اسلام کی معاشیات اور تجارت کے فائدے لوگوں کے سامنے لائے جا سکیں۔ اس لئے تجارت چاہے کسی بھی سطح کی ہو اس کو اختیار کرنا اور اس کے لئے جد و جہد کرنا بہر حال نوکری کرنے پر مقدم قرار دی جائے گی۔

لیکن! اس معاشی استحکام کی اس کوشش کے راستے میں بڑے خطرے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا خطرہ حب دنیا کا ہے۔ اور جب ہم معاشرے کے دولت مندوں کو دیکھتے ہیں تو اس کے ہزاروں میں ایک یا دو ہی ہوتے ہیں جو اس فتنہ سے بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ حصول دولت کو وہ اپنی محنت کا صلہ سمجھتے ہیں اور خدا کے فضل کو بھول جاتے ہیں۔ اسی لئے تقسیم دولت کے سلسلے میں بھی بڑے بخیل ثابت ہوتے ہیں۔ جب کہ ان کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ خدا کے فضل کی وجہ سے جو دولت ان کو نصیب ہوئی اس کو وہ خلق خدا پر خرچ کریں اور اپنی ذات پر اس کو ضائع نہ کریں۔ کیونکہ ہمارا مقصد امت کی اجتماعی بہتری کو فروغ دینا اور آسودگی کو فراہم کرنا ہونا چاہئے۔ امام شوکانی ایک دفعہ امام شافعی کو اپنے گھر لے جا رہے تھے۔ راستہ چلتے ہوئے وہ ایک عالیشان گھر کے سامنے رک گئے۔ امام شافعی نے پوچھا کہ استاد آگے چلیں۔ یہاں آپ کیوں رک گئے؟۔ امام شوکانی نے کہا کہ یہی میرا گھر ہے۔ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ امت کے سارے افراد کے یہاں ایسے گھر ہوں۔ گویا اصل خوشی دوسروں کی کہتری اور تنگ دستی میں نہیں بلکہ آسودگی اور فارغ البالی میں ہے!

● مستجاب خاطر

انٹرپرینیورشپ اور خودکفیل معاشرہ

توقیراسلم انعامدار

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ اسلام نے تجارت کے اعلیٰ اصول وفضائل بتائے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد فریضہ ہے۔ (بیہقی ، شعیب الایمان 420:6) ایک دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اُس مسلمان سے محبت کرتا ہے۔ جو محنت کر کے روزی کماتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اسی طرح حضرت ابن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسولؐ! کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے تو آپ نے فرمایا : آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔ اسی طرح حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو اور روزی کی تلاش میں غلط طریقہ نہ اختیار کرنا۔ اسلئے کہ کوئی شخص اسوقت تک نہیں مر سکتا جب تک کہ اسے پورا زرق نہ مل جائے اگر چہ اُس کے ملنے میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور روزی کی تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنا۔ حلال روزی حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب نہ جاؤ۔ (ابن ماجہ) تجارت میں بڑی برکت ہے اور نبی کریمؐ کی سنت بھی ہے۔ اسلئے حلال طریقے سے دولت کما کر بھی مال دار بنا جاسکتا ہے اور دولت کماتے ہوئے بھی آدمی پوری طرح سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرسکتا ہے۔ اسلئے اس دور میں ہر مسلمان کو اس کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسلمانِ ہند اور تجارت:۔

تجارت قوم کے معاشی نظام کی جان ہوتی ہے۔ مال اور سرمایہ معاشرہ کا Blood ہے۔ ہر زمانہ میں جن قوموں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا انہوں نے ترقی کی پھر چاہے وہ عرب کے قریش ہو، ہندوستان آنے والے عرب تجار ہو یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ہو یا آج کے ترقی یافتہ ممالک۔ تجارت سے انسان میں قائدانہ صلاحیت، خطرات سے بچاؤ، خرید وفروخت میں فرزانگی، معاملہ فہمی ، بات چیت کا ڈھنگ، اپنی بات کو دلائل سے منوانے کا سلیقہ، مختلف مقامات کی سیاحت ان کے احوال و اخبار کا علم اور لوگوں کی طبائع اور نفسیات کا اندازہ پیدا ہوتا ہے۔ ملت میں بزنس وتجارت سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد بہت ہی کم نظر آتی ہے بلکہ ملت کا کثیر طبقہ اسے بری چیز یا دنیاداری یا ان پڑھ اور کم پڑھے لکھے لوگوں کا کام سمجھتا ہے۔ اور دینی تحریکوں اور تنظیموں سے وابستہ افراد تو تجارت میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

سچر کمیٹی رپورٹ کے مطابق ''کاروبار کے لحاظ سے مسلمان نسبتاً زیادہ غیر محفوظ ہیں کیوں کہ ان کی بڑی تعداد غیر منظم زمرے (Unorganised Sector) میں سرگرم ہے اور ان کے حالات (Condition) دیگر فرقوں کے مقابلہ میں بدتر ہیں۔ آج مسلم سماج کا بڑا حصہ مزدور ہے، مال بردار حمال ہے، مستری اور چپراسی ہے، ٹھیلے چلانے والا اور موٹر ڈرائیور ہے، سیلس مین اور

چھوٹی موٹی دکان داری کرنے والا ہے، گھریلو صنعتوں میں بیڑی، یا شیشہ گیری، دباغت اور رنگ سازی کرتا ہے، اور ان میں صنعت کار، افسر، سائنس دان، معمار، بہت کم ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ بزنس میں مسلمانوں کا تناسب بمشکل ۵ فیصد ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ذات پات کا رویہ اپنایا جاتا ہے۔ فسادات کروائے جاتے، میڈیا میں بدنام کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی حق تلفی کی جاتی ہے۔ ملازمت کیلئے دردر بھٹکنا پڑھتا ہے اگر ملازمت ملتی بھی ہے تو اسلامی شعائر کی پابندی سے روکا جاتا ہے۔ مسلمانوں کیلئے اچھی ملازمت کے امکانات تشویش کن انداز میں کم ہوتے جا رہے ہیں۔ جبکہ ماضی کے مقابلے میں تجارت اور کاروبار کے مواقع سیکڑوں گناہ بڑھ چکے ہے۔

ہماری غلط فہمی یہ ہے کہ تجارت کیلئے حساب و کتاب کی تھوڑی سی جانکاری، تھوڑی چکنی چپڑی باتیں، ناپ تول میں کمی کی مہارت، حساب میں خرد برد، غلط اندراج وغیرہ ہی کافی ہیں۔ دراصل ان کی نظر میں تجارت کا مطلب ہے، دال چاول یا تیل صابن کی دوکان! اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں تھوڑا بہت حساب و کتاب آ گیا تو وہ کاروبار کر سکتے ہیں۔ بزنس کا یہی نظریہ اصل سبب ہے شہروں میں اسکولوں میں ڈراپ آؤٹ کی شرح کے بڑھنے کا۔ تجارت کا یہ نظریہ ہمارے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں طلبہ کو تعلیم سے دور کئے ہوئے ہیں۔ دراصل آج ہمیں ضرورت ہے زمانے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تیور سمجھنے کا کہ کبھی تعلیم سے بے بہرہ لوگ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ البتہ اب ہر تجارت کی بنیاد اعلیٰ تعلیم ہے۔ آج اعلیٰ تعلیم کے بغیر اگر کوئی کاروبار کیا جاسکتا ہے۔ تو یہی کہ بھیل پوری، پانی پوری کی دوکان کھولی جاسکتی ہے۔ ورنہ ہر قسم کی تجارت کی پہلی شرط اعلیٰ تعلیم ہے۔ مقابلہ اور مسابقت اتنا سخت ہوتا جا رہا ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ اگر آپ کے پاس اعلیٰ تعلیم، نالج، مہارت اور جدید تکنیک نہیں ہے تو مدِّمقابل آپ کو مارکیٹ میں ٹکنے نہیں دے گا۔ ملت کے زیادہ تر افراد صبر اور مہارت کی کمی، ناتجربہ کاری، مایوسی و ناکامی کا ڈر، مالیاتی نقصان کا خطرہ، محدود وسائل کا بہانہ، نوکریوں کی طرف معاشرہ کا رجحان اور موافق گورنمنٹ پالیسی نہ ہونے کی صورت میں کسی منظم تجارتی ادارے کا قیام اور اسکا انتظام وانصرام نہیں کر پاتے نتیجتاً ملت معاشی زوال کا شکار ہے۔

آنتر پرینیورشپ کا تعارف

"Entreprenuership" یہ لفظ French زبان سے لیا گیا ہے۔ اس اصطلاح کو پہلی مرتبہ فرانسیسی ماہرِ معاشیات Richar Cartillon نے متعارف کرایا۔ Peter Druker(۱۹۶۴) کے مطابق ''Entreprenuer ایک ایسا شخص ہے جو نئی تجارت میں تبدیلی کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور مواقعوں کو ڈھونڈنے کی تلاش میں رہتا ہے۔ تخلیقیت وندرت Entreprenuer کا ایک خاص ہتھیار ہے۔ وہ موثر ذرائع کو وسائل میں تبدیل کرتا ہے۔'' (بحوالہ:Managing Result)

آنتر پرینیور (Entreprenuer) سے مراد جو شخص نیا بزنس شروع کرتا ہے اور توسیع کے نئے مواقع کی تلاش کرتا اور پیداواری اجزاء سے حاصل شدہ مواقعوں کا فائدہ اٹھاتا ہے، منظم طریقے سے پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، بزنس کو قائم کرنے اور چلانے کا جوکھم لیتا ہے۔ جسے عام اصطلاح میں تاجر، مالک یا سرمایہ دار کہہ سکتے ہیں۔ اور اسی طرح نئی مصنوعات اور خدمات کو منافع بخش پیداوار میں تبدیل کرنے کا عمل Entreprenuership کہلاتا ہے۔

آنتر پرینیورشپ کے فائدے

آنتر پرینیورشپ (یعنی خود کے Enterprise) کے بہت سے فائدے ہیں جیسے کہ یہاں آپ خود مالک ہوتے ہیں۔ ملازمت کے دوران جو ورک پریشر ہوتا ہے یہاں وہ نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اس کا ورک شیڈول لچکدار ہوتا ہے جو کہ آپکی ترجیح اور بزنس کے طریقہ کار پر منحصر ہے۔ ٹارگیٹ مکمل کرنا اور دیگر چیزوں میں آپ کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔ اس میں ایک طرح کا تحفظ ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ Entreprenuership بہت سے لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

ہماری غلط فہمی یہ ہے کہ تجارت کیلئے حساب و کتاب کی تھوڑی سی جانکاری، تھوڑی چکنی چپڑی باتیں، ناپ تول میں کمی کی مہارت، حساب میں خرد برد، غلط اندراج وغیرہ ہی کافی ہیں۔ دراصل ان کی نظر میں تجارت کا مطلب ہے، دال چاول یا تیل صابن کی دوکان! اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں تھوڑا بہت حساب و کتاب آگیا تو وہ کاروبار کر سکتے ہیں۔ بزنس کا یہی نظریہ اصل سبب ہے شہروں میں اسکولوں میں ڈراپ آؤٹ کی شرح کے بڑھنے کا۔

بعض وقت آنتر پرینیور تجارت کے مسائل کا شکار ہو کر مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے وقت آنتر پرینیور کو پرامید ہونا چاہیے۔ اپنے Goal کو حاصل کرنے کیلئے مستقل جدوجہد کرنا چاہئے۔ ہر تجارت کو معاشی، سیاسی، سماجی، تکنیکی اور قانونی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک ہونہار آنتر پرینیور میں امکانی خطرات کو قبل از وقت محسوس کرنے اور برداشت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اور وہ ان سبھی درپیش مسائل کو بہتر سے بہتر حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سب سے اہم کام جس کی خصوصاً امت مسلمہ میں کمی پائی جاتی ہے وہ سخت محنت، زندگی میں اہم فیصلے لینے کی صلاحیت اور خود آگاہی کی کمی ہے۔ جبکہ آنتر پرینیور سخت محنت کا عادی اور مشکل فیصلے لینے کا اہل ہونا چاہیے۔ آنتر پرینیور کے کاموں میں بازار کی ضرورت کے مطابق اشیاء کو موضوع بنانا، بزنس کیلئے نئے مناسب مواقعوں کی تلاش اور تحقیق کرنا، پیچیدہ مسائل کو حل کرنا، بزنس کو پھیلانے کیلئے سرمایہ کا رتلاش کرنا ان کے اصل سرمایہ کو بڑھانا، بڑھتی تجارت کو چلانا اور اسکا انتظام وانصرام کرنا وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

چھوٹی تجارت (اسمال بزنس)۔ایک بہترین آئیڈیا

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تجارت میں سرمایے کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا لیکن اگر آپ کے پاس بہت تھوڑا سرمایہ بھی ہو تب بھی آپ Basic level سے دھیرے دھیرے شروع کرسکتے ہیں یا پھر اگر آپ کا پروجیکٹ پلان بہت اچھا ہو تو سرکار کے علاوہ ملی وسماجی ادارے، تنظیمیں اور سرمایہ دار افراد موجود ہے جو کسی بھی وقت آپکے پروجیکٹ میں مدد کیلئے تیار رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سارے ڈیلر کریڈٹ پر مال فروخت کیلئے دیتے ہیں۔ یا پھر آپ سروس بزنس (خدمات پر مبنی تجارت) شروع کرسکتے ہیں جس میں بہت قلیل سرمائے کے ساتھ بہترین خدمات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ ایسی ہزاروں مثالیں ہیں جنھوں نے قلیل سرمائے سے اپنا کاروبار شروع کیا اور اب ان کا شمار دنیا کے مشہور بزنس مین میں ہوتا ہے۔ جیسے ریلائنس گروپ کے مالک دھیروں بھائی امبانی ،ورجن گروپ کے مالک کے ریچارڈ برانسن وغیرہ۔

اسمال بزنس کا ایک اہم اصول ''اپنی مدد آپ'' ہے ۔اپنی مدد آپ کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کے ہاتھ بٹائے بغیر اپنا کام انجام دیا جائے دوسروں کی اعانت پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی صلاحیت، محنت اور اپنے ذرائع ووسائل پر بھروسہ کرنا ہی اپنی مدد آپ ہے جو انسان اپنی مدد آپ پر یقین رکھتا ہے وہ کبھی بھی ذرائع وسائل کی کمی کا رونا نہیں روتا بلکہ اپنی قوت بازو پر یقین کامل رکھتے ہوئے اپنی محنت ومشقت کے ذریعہ ترقی کے مدارج طے کرتا ہے اور جو انسان دوسروں کی مدد کا متمنی ہوتا ہے وہ ترقی کے میدان میں نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ درج ذیل میں سے کسی بھی قسم کا کاروبار، خدمت، یا صنعت چھوٹے پیمانے پر شروع کرسکتے ہیں۔ جیسے اسکول یونیفارم میکنگ، ، ہوٹل اور پارٹیوں میں ویجیٹیبل اور فلاور سپلائی، ترجمہ نگاری ٹفن سپلائی، ریڈیمیٹ گارمنٹس میکنگ اور مارکیٹنگ، DTP ورک، بیگ سازی/ پرنٹ ومارکٹنگ، گفٹ شاپ، ہوم ڈیکوریشن ورک ،کوشن کورسازی، ، قدرتی دوائیاں ومصنوعات کی تیاری، وال پیپر کا کاروبار، ، ڈیری مصنوعات کی تیاری اور سپلائی، ہوزیری، واشنگ آئٹم ، HR and Job Placement Service، ڈائیٹیشین کنسلنٹ سروس، ہابی کلاسیس، آن لائن مارکٹنگ، آن لائن ایڈورٹائزنگ، اسکالرشپ رہنمائی، ہوم ٹیوشن، کریر کاؤنسلنگ سروس ،ہوم کال سینٹر (Inbond/Outbond)۔، گرم مسالے کی تیاری و پیکنگ ، Confectionery کی تیاری اور مارکیٹنگ، شوشل میڈیا اسسٹنٹ سروس، ڈاکٹرس آن کال سروس، سکنڈ ہینڈ کار/ بائیک/ فریج/ اپلائنس سیلس اینڈ سروس، پارٹی پری پلاننگ / پارٹی پوسٹ کلننگ سروس، اسپورٹس کوچنگ، پیکنگ اور ہوم شفٹنگ Home Shifting سروس، ہوم/ آفس کلننگ سروس، پیسٹ کنٹرول سروس، سیفٹی اور سیکوریٹی ایجنسی، لوکل ایڈورٹائزنگ اور کلاسیفائیڈ، ٹراویل ایجنسی، بیرون ملک تعلیمی رہنمائی سروس، آئن لائن شاپنگ اسٹور، ایوینٹ منجمنٹ، انٹریسٹ فری بینکنگ سروس وغیرہ۔

یہ کاروبار آپ پڑھائی کرتے کرتے یا جاب کرتے ہوئے بھی کرسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں آپکی دلچسپی، شوق، جستجو اور لگن ہو۔ کچھ ہی دنوں بعد انشاء اللہ بہت اچھا نیٹ ورک بن جائے گا جب بزنس سیٹ ہوجائے تو پھر آپ پوری یکسوئی سے اپنے بزنس میں دھیان دے سکتے ہیں۔

حرفِ آخر

تجارت کی مثال فٹ بال میچ کی سی ہے، جس کا اہم اصول یہ ہے کہ آپ فریق مخالف کے خلاف گول کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دفاع پر خصوصی توجہ دیں یہی حال تجارت کا بھی ہے۔ تجارت میں بھی آپ کو نفع کے ساتھ ساتھ ممکنہ خسارے سے بچنے کیلئے تدابیر اختیار کرنا ہوگی۔ یہ تبھی ممکن ہوسکتا ہے جب آپ کاروباری معاملہ میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے مضبوط منصوبہ بندی اور بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل پر توجہ دیں۔ آپ ایسا بزنس شروع کریں جس سے کم سرمایہ میں اپنی دلچسپی اور شوق سے کام کرسکے۔ مارکیٹ کی ضروریات کا معائنہ کریں۔ نیٹ ورک کو بڑھاتے جائیں۔ ماہرین سے تبادلہء خیال کریں۔ ایڈوٹائزمنٹ اور مارکٹنگ کے لئے آن لائن ویب سائٹس، ٹی وی، پمفلٹ، بینر، ورکشاپ، سمینار، نمائش سے مدد لیں۔ مسابقت کے اس دور میں اپنی مصنوعات اور خدمات کو کوالیٹی کے ساتھ فراہم کریں اور زیادہ منافع کی لالچ نہ کریں۔ آنترپرینیور کسی بھی قوم کیلئے ریڑ کی ہڈی ہوتی ہے۔ اگر آپ آنترپرینیورشپ پر دھیان دیں تو ملت سے بے روزگاری کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ انشاء اللہ

تجارت میں بھی آپ کو نفع کے ساتھ ساتھ ممکنہ خسارے سے بچنے کیلئے تدابیر اختیار کرنا ہوگی۔ یہ تبھی ممکن ہوسکتا ہے جب آپ کاروباری معاملہ میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے مضبوط منصوبہ بندی اور بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل پر توجہ دیں۔

اپنے SWOT یعنی آپکی خوبی آپکی کمزوری، دستیاب مواقع، ممکنہ خطرات کو جانچیئے۔ اگر آپ درپیش چیلنجوں کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو تخلیقیت وندرت کی صلاحیت رکھتے ہو تو یہ میدان آپکا منتظر ہے۔ یاد رکھئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت حلال طریقہ سے حاصل کرتا ہے۔ اور اس لئے حاصل کرتا ہے تاکہ اس دولت کے ذریعہ سے دوسروں پر فخر کرے، اور دوسروں کے سامنے کثرتِ دولت کی وجہ سے اترائے ،اور دوسروں کو دکھانے کے لئے ریاکاری کے طور پر دولت حاصل کرے، تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سخت ناراض اور غصہ کی حالت میں ہوگا، اور جو شخص دنیا کی دولت حلال طریقہ سے اس لئے حاصل کرتا ہے، تاکہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے اپنی حفاظت کرے، اور حلال روزی کے ذریعے سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرے، اور حلال روزی کے ذریعے اپنے پڑوسی کی مدد اور اس پر احسان کرے، تو اللہ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کی چاندنی کی طرح چمکتا ہوا ہوگا۔ (روایت حضرت ابوہریرہ ۔شعب الایمان ۷/۲۹۸، برقم: ۱۰۳۷۴)

کسی ایسے کام کا بیڑا اٹھانا یا ذمہ داری لینا جو دوسرے افراد کے لئے مشکل ہو اور اس کے ذریعہ سے دیگر افراد کے لئے مواقع فراہم کرنا آنترپرینیور کا کام ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں Entreprenure ایک مقبول ترین لفظ ہے کئی افراد اس سے جڑ کر استفادہ کر رہے ہیں اس کا سب سے اہم اور فائدہ مند کام یہ ہے کہ ایک آنترپرینیور اپنی ذہنی صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے، جدید اور تخلیقی طرز پر کام کا آغاز کرتا ہے اور دوسروں کے لئے مواقع پیدا کرتا ہے اور سماج اور ملک کی معاشی صورتحال کو بہتر بنانے میں اپنا حصہ ادا کرتا ہے۔ آنترپرینیور کے متعلق ایک صاحب قلم نے لکھا کہ ''آنترپرینیور وہ لیڈر ہوتے ہیں جو خطرے اٹھانے اور پہل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں، بازار کے مواقع کو منصوبہ بندی، تنظیم اور وسائل کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور بسا اوقات جدت کے ذریعہ پہلے سے موجود مصنوعات میں بہتری لاتے ہیں۔ آنترپرینیورشپ کی اصطلاح کا استعمال حالیہ برسوں میں سوچنے کے انداز اور ذہنی سانچے (مائینڈ سیٹ) کے لئے بھی کیا گیا جس کے نتیجہ میں اس کا اطلاق سماجی، سیاسی اور علمی حلقوں پر بھی کیا جا سکتا ہے''۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، اسلام میں عبادت اور تجارت میں کوئی علٰحدگی نہیں ہے بلکہ تجارت خود ایک عبادت ہے۔ اسلام ایک بہترین نظام تجارت پیش کرتا ہے جس کی بنیاد قرآن مجید اور احادیث ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ لکھتے ہیں کہ ''جو شخص اسلام کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی نگاہ میں انسان کا اصل مفاد اس کی آخرت کا مفاد ہے۔ اسے آخرت ہی کے لئے جینا اور مرنا چاہئے اور مسلم کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے اور اسی کو اپنا اصل مرکز توجہ رکھے، یہ ایک روشن اور بدیہی حقیقت ہے، سورج سے بھی زیادہ روشن اور بدیہی حقیقت۔ لیکن غلط فہمی نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسلام دنیا کی ان چیزوں کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا جو انسان کی مادی زندگی کے لئے مطلوب ہوتی اور ہو سکتی ہیں۔ اس نے اس زمین پر انسان کی جو تخلیقی حیثیت قرار دی ہے اس کی پیدائش کا جو مقصد بتایا ہے، روحانی بلندی اور تقرب الٰہی کا جو تصور پیش کیا ہے اور اس کے لئے جو شاہراہ مقرر کی ہے ان ساری چیزوں کو دیکھتے ہوئے ایسا خیال کرنا کہ اسلام انسان کی مادی ضرورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، کھلی ہوئی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ 'مومن' اور 'مسلم' محض روح کا نام نہیں ہے بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور ایک مسلمان کو اس دنیا میں اپنا فرض بجا لانے، اپنا مشن پورا کر دینے اور اپنے پروردگار کی رضا حاصل کر لینے کے ئے جو کچھ کرنا ہے اس کے لئے جسم اور جسمانی قوتیں بھی ضرورت کی چیز ہیں، اور ان کا استعمال بھی ناگزیر ہے۔ ایسی حالت میں وہ سروسامان بھی کیوں ضروری نہ ہوگا جس پر اس جسم کی اور ان جسمانی قوتوں کی بقا موقوف ہے اور جسے ہم انسان کی معاشی ضرورت کہتے ہیں؟ یہی وجہ ہے جس کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''فرض عبادتوں کے بعد حلال روزی کمانا بھی فرض ہے'' بیہقی۔ (اسلام ایک نظر میں، ص 169-168) اسلام جدید طرز پر حصولِ مال سے انکار نہیں کرتا بلکہ اسلام تو غور و فکر اور تدبر و تفکر پر زور دیتا ہے، ایک اسلامی آنترپرینیور کے لئے آخری منزل اس کی کامیابی نہیں ہے بلکہ اس منزل کے حصول کے لئے جو راستہ متعین کیا جاتا ہے وہ بھی اس کی کامیابی کا اہم حصہ ہوتا ہے۔

لفظ ''تجارت'' مسلمانوں کے لئے کوئی غیر معروف نہیں ہے بلکہ آخری نبی حضرت محمدؐ خود ایک تاجر تھے، محمدؐ نہ صرف ایک بہترین داعی، مبلغ اور لیڈر تھے بلکہ وہ ایک بہترین اور کامیاب تاجر بھی تھے جنھوں نے تجارت کے لئے دور مقامات کا سفر طئے کیا اور عرب کے اس بد اخلاق اور وحشی دور میں آپؐ نے اخلاق کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہوئے دیگر تاجروں کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور یہی تجارتی تعلقات آگے چل کر دعوتی میدان میں بھی کارآمد ثابت ہوئے۔ آپؐ نے ۱۲ سال کی عمر سے ہی اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تجارتی قافلوں میں شرکت کا آغاز کر دیا تھا جس سے آپؐ کو ابتدائی تجارتی تجربہ حاصل ہو گیا اور اس تجربہ اور ایمانداری کی وجہ سے مکہ کے قابلِ اعتماد تاجر کی حیثیت سے مقبول ہوئے، حضرت خدیجہؓ بھی مکہ کی ایک کامیاب تاجر تھیں اس کے علاوہ آپؐ نے بھی اپنے صحابہ اکرامؓ کو تلاشِ معاش کی تلقین کی اور محنت کی کمائی کے حصول پر زور دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے نبی کریم صلعم نے فرمایا ''اللہ اس مسلمان سے محبت کرتا ہے جو کوئی محنت کر کے روزی کماتا ہے''۔

تجارت کے اس میدان میں بھی اسلام نے انسانوں کی رہنمائی کی ہے اور اخلاقی اقدار کو وضع کیا ہے، مغربی طرزِ معیشت اور اسلامی طرزِ معیشت میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ مغرب نے جہاں آنترپرینیورشپ میں ترقی حاصل کی وہیں اخلاقی گراوٹ اور حرام وحلال میں تفریق نہ کرنے کی وجہ سے مغربی معاشرہ خودغرضی کا شکار ہے۔ مغربی ممالک

مسلم آنترپرینیور کے اخلاقیات

محمد فراز احمد

میں آنترپرینیور کی کامیابی کا انحصار مالی اعتبار سے فرد کی انفرادی ترقی ہے اور اس نے فرد کو پیسہ کمانے کے تمام طریقوں کی مکمل آزادی عطا کردی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ تجارت جیسا مقدس پیشہ بھی انسانی خون نچوڑنے کا عمل بن کر رہ گیا۔ دوسری طرف اسلام میں ترقی کا انحصار فرد کی انفرادی زندگی کے ساتھ معاشرے کی اجتماعی زندگی پر بھی کیا ہے، ایک اسلامی آنترپرینیور اس وقت کامیاب کہلاتا ہے جب وہ معاشی اعتبار سے خود کے لئے بھی اور معاشرے کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہوں۔

مسلم آنترپرینیور اور مغربی آنترپرینیور میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلم آنترپرینیور تجارت اور مذہب میں تفریق نہیں کرتا بلکہ مسلمان کے لئے تجارت بھی عبادت ہے اور اس کا یہ ایقان ہوتا ہے کہ رزق دینے والا اللہ ہے اور تجارت میں نفع اور نقصان بھی اللہ کی طرف سے ہے اسی لئے وہ توکل، صبر اور شکر کے ساتھ نفع اور نقصان کو قبول کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شائد کہ تمہیں فلاح نصیب ہوجائے''۔ (سورۃ الجمعہ۔10) اس کے بالمقابل مغربی آنترپرینیور تجارت اور مذہب کے درمیان تفریق سے کام لیتا ہے اور تجارت کو مذہب سے الگ کرتے ہوئے ذاتی طور پر منافع حاصل کرنے کی غرض سے حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ آنترپرینیورشپ کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک آنترپرینیور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعہ نئے کام کا آغاز کریں اور اپنے شعبہ تجارت کے ذریعہ سے ملک کو معاشی طور پر مستحکم کرسکیں اور دیگر افراد کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کریں لیکن جس فرد کے لئے قوم اور ملک کی ترقی ثانوی چیز ہو وہ اس بنیادی مقصد سے دور چلا جاتا ہے اور بجائے معاشرے کے لئے فائدہ مند ہونے کے لئے وہ مزید نقصاندہ ہوسکتا ہے۔

اسلام نے روزی کمانے کے صحیح تصور کو پیش کیا ہے جس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے ''کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کے پاس سے ایک آدمی گزرا۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ وہ رزق کے حصول میں بہت متحرک ہے اور پوری دلچسپی لے رہا ہے تو انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ اگر اس کی یہ دوڑ دھوپ اور دلچسپی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لئے کوشش کررہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچا رہے تو یہ کوشش بھی فی سبیل اللہ ہی شمار ہوگی اور اگر اپنی ذات کے لئے کوشش کررہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچا رہے تو یہ کوشش بھی فی سبیل اللہ ہوگی البتہ اگر اس کی یہ محبت زیادہ مال حاصل کرکے لوگوں پر برتری جتانے اور لوگوں کے دکھانے کے لئے ہے تو یہ ساری محنت شیطان کی راہ میں شمار ہوگی''۔ گویا مومن کی پوری زندگی عبادت ہے اس کا ہر کام باعث اجر و ثواب ہے، اسلام میں زہد و تقویٰ اور عبادت کا کو وسیع تصور ہے وہ اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے ''مومن آدمی اپنی ذات پر اپنی بیوی پر اپنے بچوں پر اور اپنے ملازموں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ اور عبادت ہے جس پر اسے اجر ملے گا''۔ اس کے علاوہ اسلام ایک آنترپرینیور کی تنظیم بھی کرتا ہے اور حلال کمائی کے ذرائع اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے ''حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول صلعم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہنا اور روزی کی تلاش میں غلط طریقے مت اختیار نا کرنا۔ اس لئے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرسکتا جب تک اسے پورا رزق نہ مل جائے اگر چہ اس کے ملنے میں کچھ تاخیر ہوسکتی ہے تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور روزی کی تلاش میں اچھا طریقہ اختیار کرنا۔ حلال روزی حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب نہ جاؤ''۔

اس کے بالمقابل اگر مغربی طریقہ تجارت پر نظر ڈالی جائے تو وہ ان تمام اخلاقیات سے عاری نظر آتا ہے جہاں سود پر مبنی نظام تجارت رائج ہے جو کہ ایک غیر فطری عمل ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر، امیر تر ہوگیا اور غریب مزید پستی میں چلا گیا لیکن اسلام نے جو طرز تجارت متعارف کروایا ہے وہ تمام انسانوں کے لئے منصفانہ ہے۔ جس میں ہر مستحق کو اس کے استحقاق کے مطابق حق ملتا ہے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ''تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کا حق رکھتے ہیں: پانی، گھانس اور آگ (ابوداؤد)۔

یہ اسلام کے تجارتی نظام کے اخلاقیات کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا لیکن اس کے علاوہ بھی دیگر زاویوں سے قرآن اور حدیث نے انسان کی رہنمائی کی ہے اور اسلامی آنترپرینیور کی خصوصیات کو پیش کیا ہے۔ اسلامک آنترپرینیور کی چند خصوصیات یہ ہیں:

- روزآنہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہو۔
- ملازم کی تنخواہ وقت سے قبل ادا کرتا ہو
- حلال رزق کی کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہو۔
- ہمیشہ سچائی سے کام لیتا ہو۔
- صارف کے حقوق کو ترجیح دیتا ہو۔
- زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔
- ہمیشہ اللہ کا شکر گزار رہتا ہو۔
- انسانوں کے ساتھ بہتر تعلقات رکھتا ہو۔
- سہولیات فراہم کرتا ہو۔
- دیگر آنترپرینیور کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہو۔

اسلام کے اس معاشی نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعہ سے دولت کا انجماد ممکن نہیں، دولت کی گردش اور اس کی منصفانہ تقسیم ہی حقیقی ترقی ہے۔ مسلم نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ آنترپرینیورشپ کی اس فیلڈ میں اسلامی اخلاقیات کے ساتھ حصہ لیں اور دنیا کو اس بہترین نظامِ معیشت سے متعارف کروائیں۔

نِگہ بلند ، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

محمد صادق پرویز

زراعت سے متعلق شعبوں میں تجارتی مواقع

عام بول چال کی زبان میں زراعت کو کھیتی باڑی کہتے ہیں اور اس کا مطلب اناج کو کثیر تعداد میں اگا نا لیا جاتا ہے۔ سائنسی اصطلاح میں پودے اور جانور (دونوں) سے ملنے والے عناصر کی پیداوار جو غذا کی فراہمی کے لیے استعمال کی جائے زراعت (Agriculture) کہلاتی ہے۔ انسان زمانۂ قدیم سے ہی زراعت کرتا چلا آرہا ہے۔ انسانی تاریخ کی متمدن قوموں میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری جو اپنی بقاء کے لیے زراعت پر منحصر نہ ہو۔ انسانی تمدن میں زراعت کی ابتداء Mesolithic or Middle Stone Age (12000 to 6000 B C) میں ہوئی تھی۔ (بحوالہ Economic Botany by S L Kochhar, P 01)

Zhukovsky (1968) کے مطابق زراعت کی ابتداء دنیا کے ۱۱ علیحدہ حصوں میں ہوئی تھی، جیسے میگا جین سینٹرس "Megagen Centres" کہتے ہیں اور وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) چین
(۲) ہندچین اور انڈونیشیا
(۳) آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ
(۴) برصغیر ہند
(۵) وسطی ایشیا
(۶) مغربی ایشیا
(7) Mediterranean Coastal and Adjecent Regions
(۸) افریقہ
(۹) یوروپ
(۱۰) وسطی امریکہ
(11) Balinia-Peru-Chile

(Economic Botany, P 13)

اناج کی پیداوار (گیہوں وغیرہ) سب سے پہلے عراق (Mesopatamia) Baylonian, Sumerian میں ہوئی تھی۔ چین، بھارت، اور جاپان کے قدیم عوام چاول (Rice) کی کھیتی کیا کرتے تھے۔ (حوالہ سابق ص ۵۷)

آج کے اس دور میں بھی دنیا کی اکثر آبادی زراعت ہی پہ منحصر ہے۔ ہندوستان کی آبادی کا ۵۸ فیصد حصہ روزگار کے اعتبار سے زراعت ہی پہ منحصر ہے۔ ۲۰۱۳ء میں GDP کا کل ۱۳ فیصد شعبۂ زراعت ہی نے پُر کیا۔ موجودہ وقت میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری سے ہر خاص و عام پریشان ہے۔ ہندوستان میں کئی برسوں سے بے روزگاری کی شرح کو کم کرنے کے لیے حکومت کی جانب سے کئی اقدامات اٹھائے گئے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔

ہندوستانی نوجوانوں میں ''حکومت کی ملازمت'' کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ اگر طلبہ زراعت سے متعلق شعبوں میں تجارتی سطح پر اپنا ذہن مرکوز کریں تو بے روزگاری کی شرح میں کئی فیصد گراوٹ آسکتی ہے اور طلبہ و نوجوانوں کا معاشی استحکام بھی قدرے ممکن ہے۔ زراعت کے متعلق بہت سارے ایسے شعبے ہیں جن میں کم لاگت میں منافع بخش تجارت کی جاسکتی ہے۔ مثلاً

(۱) مدھومکھی پالن — Bee Keeping
(۲) مشروم کی کھیتی — Mushroom Cultivation
(۳) ڈیری فارم مینجمنٹ — Dairy Farm Menagement
(۴) پالٹری فارم مینجمنٹ — Poultry Farm Management
(۵) ماہی گیر پیشہ — Fisheries

مدھومکھی پالن(Bee Keeping):

مدھومکھی پالن قدیم زمانے سے چلا آرہاSmall Industrial تجارتی پیشہ ہے۔ مدھومکھی پالن کی ابتداءتقریباً ۹۰۰۰برس پہلےشمالی افریقہ میں ہوئی تھی۔اس وقت کےلوگ Pottery Vessels میں مدھومکھی پالتے تھے۔مصر کی قدیم تہذیب میں قریب ۴۵۰۰ سال پہلے مدھومکھی پالن کی ابتداء ہوئی تھی۔(بحوالہ The World History of (Bee Keeping and Honey Haunting, Crave, Eva (1999)

شہد کے ذخیرہ کی فراہمی کے لیے مدھومکھیوں کے چھتے(Hives) کارکھ رکھاؤہی مدھو مکھی پالن کہلاتا ہے۔حیاتیاتی سائنس کی اصطلاح میں اسے (Apiculture) کہتے ہیں۔مدھومکھی پالن سےہمیں شہداورموم دونوں فراہم ہوتے ہیں۔

شہدغذائیت(Nutritine Value) کےاعتبار سے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ شہد میں بہت سے غذائی عناصر پائے جاتے ہیں۔ جیسے شکر (Sugars)، پانی (Water)،معدنیات(Minerals)،وٹامن(Vitamins)اورامینوایسڈ(Amino Acids)وغیرہ۔

شہدمختلف بیماریوں میں مفید مانا جاتا ہے۔جیسے قے،دست،معدہ اورجگر کی صحت یابی میں بے حد مفید ہے۔مدھومکھی کے چھتے سےفراہم کیے جانے والے موم کاسمیٹکس انڈسٹری میں بڑے پیمانے پراستعمال کیاجاتا ہے۔اس لحاظ سے مدھومکھی پالن ایک مفیدتجارتی پیشہ ہے۔

U N , FAO کے۱۹۹۱ءڈاٹا کے مطابق شہد کا ذخیرہ۱۹۶۱ء میں ۵۰ ملین ٹن سے ۲۰۱۴ء میں بڑھ کر ۸۳ ملین ٹن ہوا تھا جس میں سالانہ ا ء۳فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔

ایشیائی ممالک میں بھی شہد کی پیداوار بہت اچھی رہی ہے۔

ممالک	کھپت(۱۰۰۰میٹرک ٹن)	پیداوار(۱۰۰۰ میٹرک ٹن)
چین	۲۳۸	۲۴۵
ترکی	۶۶	۷۰
ہندوستان	۴۵	۲۳ء۵۲
ساؤتھ کوریا	۲۷	۸۲ء۲۳

(U N FAO data 2005 Source Wikipedia)

مدھومکھیاں نہ صرف شہد فراہم کرتی ہیں بلکہ جرگن(Pollination) میں بھی بہت اہم کرداراداکرتی ہیں۔ہماری اہم فصلیں مثلاً سرسوں(Mustard)،سورج مکھی،سیب اورناشپاتی میں جرگن(Pollination) مدھومکھیوں کے ذریعہ ہی ممکن ہوتا ہے۔اگر مدھو مکھی کے ڈبے کوکھیتوں کے بیچ میں رکھ دیا جائے توکھیت میں جرگن ہونے سے فصل اچھی ہوگی اورشہدبھی کثیر تعداد میں مل سکے گا۔

تجارت کے لحاظ سے مدھومکھیوں کی چارقسمیں ہوتی ہیں:

(۱)Apis Cerana India (یہ ایک عام ہندوستانی مدھومکھی ہے)

(۲)Apis Dorsata(یہ قد میں بڑی ہوتی ہے اس لیے اسے Gaint Honeybee بھی کہتے ہیں)

(۳)Apis Florea(یہ قد میں سب سے چھوٹی مدھومکھی ہوتی ہے اسے Little Honeyebee بھی کہتے ہیں۔

(۴)Apis Mellifera (تجارتی اعتبار سے شہد کی پیداوار کے لیے اس مدھومکھی کا ہی استعمال ہوتا ہے۔)

(بحوالہ Pradeep 12th Biology, P No 111/103)

مدھومکھی پالن(Bee Farm) یاApiaries قائم کرنے کا طریقہ:

(۱) باڑے کا سائز تقریباً1/10 ایکڑ ایک bee colony کے لیے ضروری ہے اور یہ اسی علاقہ میں قائم ہونا چاہیے جہاں((radius1 to 2 km میں چھوٹے چھوٹے جنگلی پودے(Shurbs)،پھلوں کے باغات اورکھیتوں۔ایسے پودے جس میں پھول کھل چکے ہوں(Flowering Plants) آس پاس ہونا بہتر ہے جس سے مدھومکھیاں امرت حاصل کرسکیں۔

(۲) کئی جگہوں پرBeekeeping Association کے لوکل افسر سے اجازت لینی ضروری ہے۔

(۳) مدھومکھی پالن کی ابتداء موسم بہار میں کرنی چاہیے۔ مدھومکھیاں مکمل طور پر موسم (Climate)ہی پر منحصر رہتی ہیں۔ٹھنڈ کے موسم کے ابتدائی مرحلے میں اس تجارت کی ضروری معلومات حاصل کرلینا چاہیے اور جب کلی (Bud) پھوٹنے لگتی ہے جسے Flowering کہتے ہیں جوفروری کے آخری ہفتہ میں شروع ہوجاتا اس درمیان ایک Bee Colony کو چھتے (Hives) میں داخل کرنا چاہیے تاکہ مدھومکھیوں کو آسانی سے امرت(Nectar) مل سکے۔

(۴) چھتے (Hives) کی خریداری بہار کے موسم آنے سے پہلے کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ پوری تیاری اوردلچسپی سے اس تجارت میں اپناوقت صرف کیا جاسکے۔

تین قسم کے چھتے بہترکوالٹی کے مانے جاتے ہیں:

(۱)Tap Bar Hives (۲)Warre Hives

(۳)Long Stroth Hives

چھتے کے ساتھ ایک(Hive Stand) کا بھی ہونا لازمی ہے اگر وہ بازار میں آسانی سے دریافت نہ ہوتو وہ Concrete کے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ بہت سارے (Aparies) میں(Hives) چھتے کوVarandh یا چھتوں پہ بھی قائم کیا جاتا ہے۔

(۵) جب پودے میں کلیاں پھوٹ کر پھول کی شکل اختیار کرتی ہیں تو اس وقت ایک Nuc(مدھومکھیوں کی چھوٹی کالونی کو کہتے ہیں،جس میں مادہ مدھو مکھی موجود ہوتی ہے) کو داخل کریں، لیکن ایک Local Supplier کی مدد کی ضرورت ناگزیر ہے۔

آج کل ایک خاص قسم کے کپڑے کا استعمال ہوتا ہے جومکھیوں کے کاٹنے سے حفاظت کرتا ہے۔اس کپڑے کا استعمال لازمی طور

پر کرنا چاہیے۔

مدھومکھیوں کی دیکھ بھال:

امرت Nectars مدھومکھیوں کو تب ہی آسانی سے حاصل ہو پاتی ہے جب Flowering پوری ہوتی ہے۔ جس میں کچھ دنوں کی تاخیر ہوجاتی ہے، لہٰذا مکھیوں کی غذا کا بھی انتظام ضروری ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پانی اور چینی 1:1 گھول بنا کر ایک پلاسٹک کے جار میں رکھ دیں اور اس ڈبے کے منھ پر چند باریک سوراخ کر دیں۔ اس کے بعد جار کو چھتے پر الٹا لٹکا دیں تاکہ امرت کی کمی پوری ہوتی رہی اور ساتھ ہی ساتھ Pesticides, Fungus اور پرندوں سے چھتے کا بچاؤ بھی کیا جاسکے۔

مشروم کی کھیتی
(Cultivation of Mushroom)

مشروم ایک طرح کا Fungi ہے۔ جسے نباتاتی سائنسداں Plant Taxonomist کے خانے Basidiomycetes میں رکھتے ہیں۔ عام طور پر Fungi زراعت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ جیسے: Alternaria, Albugo Candida, Ustilago Maydis اور Solani Puccinia Graminis Trici وغیرہ۔ Puccinia Graminis جو Class- Basidiomycetes کے اندر ہی آتی ہے صرف ہندوستان میں گیہوں اور بارلی کی فصلوں میں ۱۹۶۰ میں ۶۰ ملین روپے کا نقصان ہوگیا تھا۔ (Vashista - Fungi P n 719)
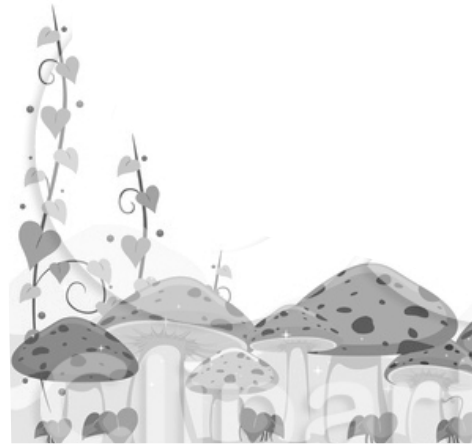
کچھ Fungi بہت مفید بھی ہوتے ہیں جسے عام طور پر Edible Mushroom کہا جاتا ہے۔ عام طور پر مشروم کی تین قسمیں پائی جاتی ہیں جن کا استعمال غذا کے طور پر کیا جاتا ہے:

(۱) بٹن مشروم Button Mushroom

(۲) Oryste مشروم پنجاب میں اسے ڈھنگری (Dhingri) بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) Paddy Stram Mushroom

اور Sub-Class-Homobasidomycetidae کے اندر Geners Agaricus بھی کھانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ Agaricus کی دو اقسام (Species) Agaricus, Silircala اور Agaricus Xanthodermis زہریلی ہوتی ہیں۔ ان دو کے علاوہ Agaricus کی ساری اقسام کھائی جاسکتی ہیں۔ (Vashista-Fungi 482)

مشروم میں ۸۸ فیصد پانی کے علاوہ پروٹین، وٹامن بی اور سی، معدنیات، لوہا، پوٹاشیم، فاسفورس، کیلشیم اور کاپر اور Folic Acid بھی پایا جاتا ہے۔ مشروم سے Anemia کے مریض کو آئرن کثیر تعداد میں ملتا ہے ساتھ ہی خون کی پیداوار میں بھی بہت مفید ہے۔ غذائیت کے لحاظ سے Oryste مشروم Button Mushroom کے مقابلے زیادہ مفید ہے۔ Tokyo Research Institute نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ مشروم میں Anticancerous عناصر پائے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں مشروم کی کھیتی ہماچل پردیش، جموں وکشمیر، تامل ناڈو اور شمال مشرق کے مخصوص علاقوں میں بڑے پیمانے پر ہوتی ہے اور ٹھنڈ کے موسم میں اتر پردیش اور ہریانہ میں بھی کھیتی ہوتی ہے۔

مشروم کی کھیتی سے قبل ضروری معلومات ضروری ہیں، جن کا ذکر نیچے آرہا ہے۔

☆ مشروم کی کھیتی کے لیے سب سے پہلے مشروم کے بیج جسے Spawn کہتے ہیں خرید کر Composit میں بودیں۔ Composit عام طور پر Nitrogen Organic اور In-Organic مٹی ہوتی ہے۔ ایک اچھا اور مفید Composit وہی ہوتا ہے جو رنگ کے اعتبار سے Ammonia-Free، Dark Brown ہو اور اس میں ۶۵-۷۰ فیصد نمی پائی جاتی ہو۔

☆ ٹپس اور نمی کے علاوہ فارم میں روشن دان بھی ہونا لازمی ہے۔ مشروم کے فروٹس (Fruiting Bodies) ۳۰-۳۵ دنوں میں نظر آنے لگتے ہیں۔ اور ۸-۱۰ ہفتے میں قریب 10kg sq metre مشروم کی پیداوار ہوجاتی ہے۔ تجارتی لحاظ سے کم لاگت میں مشروم کی کھیتی بہت منافع بخش پیشہ ہے۔

ڈیری فارم مینجمنٹ
Dairy Farm Management

ڈیری فارم میں دودھ حاصل کرنے کے لیے گائے، بھینس، بکرے اور بھیڑ کے پالنے کا نظم کیا جاتا ہے۔ کثیر مقدار میں دودھ کی پیداوار اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اس ڈیری میں پائے جانے والے جانوروں کی نسل کون سی ہے۔

ہندوستان میں گائے اور بھینس کی کم و بیش ۲۳ اقسام پائی جاتی ہیں۔ جس میں ساہی وال، گیر، ریڈ سندھی اور ہریانوی بہت اہم ہیں۔

ہندوستانی گائے کو سائنس کی اصطلاح میں Bos indicus کہتے ہیں۔ ہندوستان میں گائے کی بہت ساری ہائبرڈ نسلیں بھی تیار کی گئی ہیں۔ جس کی mating بیرونِ ملک میں پائے جانے والی گائیوں سے کرائی گئی ہے تاکہ دودھ کی پیداوار اور اچھی ہوسکے۔ مثلاً جرسی، کرن سوس، Holstein-Friesion اور Freesion-Sahiwal شمار

ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں کثیر مقدار میں دودھ دینے والی گایوں کو کرنال (ہریانہ) کے National Dairy Research Institute میں تیار کیا گیا ہے۔ (Source: Wikipedia)

ہندوستان میں بھینس کی دس اقسام پائی جاتی ہیں، جس میں ناگپوری، سورتی، نیلی روی، مہسانہ، اور جعفرآبادی اہم ہیں۔ (حوالہ سابق)

ہندوستانی بھینس کو سائنسی اصطلاح میں Bos Bubalis کہتے ہیں۔ بھینس کی زیادہ دودھ دینی والی نسلیں (Murrah) ہے جو اپنے دودھ دینے کے وقفہ (Time Period) میں تقریباً ۲۰۰۰ لیٹرس دودھ دیتی ہے۔

دودھ کے فوائد اور ڈیری فارم شروع کرنے سے پہلے ضروری معلومات:

☆ دودھ انسانی غذا کا بہت اہم جز ہے۔ دودھ میں ۸۷ فیصد پانی، چربی، پروٹین، albumen, Casein اور کاربوہائیڈریٹ پائے جاتے ہیں۔

ڈیری فارم کی ابتداء کرنے سے پہلے ان ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے:

(۱) نسل: کثیر پیداوار کے لیے اچھی نسل کی نشاندہی ضروری ہے جس میں اپنے آس پاس کے ماحول کو ذہن میں رکھنا ناگزیر ہے۔ اچھی نسلوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

(۲) دیکھ بھال: اچھی پیداوار کے لیے جانوروں کی دیکھ بھال بھی بہت ضروری ہے۔ جانوروں کے رہنے کے لیے صاف ستھرے ٹھکانے، پانی کا نظم، چارے، بھوسی کا انتظام کے ساتھ ساتھ روشن دان بھی ہونا چاہیے۔

(۳) دودھ کی اچھی پیداوار کے لیے اس بات کا بھی علم ضروری ہے کہ چارہ غذائیت کے اعتبار سے مفید ہے جس سے پروٹین، فیٹ، کاربوہائڈریٹ اور وٹامن مل سکیں۔

(۴) جانوروں کے ڈاکٹر سے رابطہ رکھنا چاہیے۔ بیماری سے بچاؤ کے لیے جانوروں کو ٹیکہ لگانا بھی ضروری ہے۔

پالٹری فارم مینجمنٹ

پالٹری فارم گوشت و انڈے کی فراہمی کے لیے کیا جانے والا تجارتی پیشہ ہے۔ پالٹری فارم میں مرغے، مرغی کے علاوہ بطخ پالی جاتی ہیں۔ تجارتی مفاد کے لیے ان کا پالن ہی پالٹری فارمنگ کہلاتا ہے۔ انڈے دینے والی مرغیاں (Egg-Layers) و گوشت کے لیے استعمال میں لائی جانے والی مرغیاں و مرغے (Bolliers) کہلاتی ہیں۔ پالٹری فارمینگ بھی ایک کم لاگت میں منافع بخش تجارتی پیشہ ہے۔ مرغیوں و مرغے کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) دیسی قسم: (اسیل، بسرا، چیرگاؤ) یہ مرغیاں چھوٹے قد کی ہوتی ہیں لیکن مضبوط ہوتی ہیں۔

(۲) ولایتی قسم: Sussex, Rock Australorp, White Leghorn وغیرہ۔

(حوالہ سابق)

ہندوستان میں بھی (Hybird) نسلیں تیار کی گئی ہیں۔ جس میں تین قسم کی بہت اہم مانی جاتی ہیں: (۱) ILS-82، (۲) HH-260 اور B-77

پالٹری فارم کو تجارتی پیشہ بنانے سے پہلے ان ہدایات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) نسل: اچھی نسلوں کی نشاندہی کرنا B-77 اور ILS-82 (۲۰۰ سے ۲۶۰) انڈے دیتی ہیں۔

(۲) سازگار ماحول: مرغیوں کی تیز دھوپ، بارش اور ٹھنڈ سے حفاظت کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

(۳) کھانے کا انتظام: وٹامن، چربی، پروٹین، کاربوہائیڈریٹ کے علاوہ فاسفورس اور کیلشیم کی انڈے دینے والی مرغیوں کو بہت ضرورت ہوتی ہے۔

(۴) Bird Flu ایک بیماری ہے جو وائرس کے ذریعے پھیلتی ہے۔ جس سے مرغیوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اس تجارت میں نقصان سب سے زیادہ برڈ فلیو ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ماہی گیر پیشہ (Fisheris)

ہندوستان کی کثیر تعداد مچھلی کو غذا کی شکل میں روزانہ استعمال کرتی ہے۔ سمندر کے علاوہ، جھیل یا ندی، تالاب میں مچھلیوں کا تجارتی مفاد کے لیے پالنا ہی ماہی گیر پیشہ کہلاتا ہے۔

مچھلیاں پانی کے علاوہ Marine میں بھی پائی جاتی ہیں۔

صاف پانی میں پائی جانے والی مچھلیوں میں روہو (Labeo)، کتلا (Catla) وغیرہ اہم ہیں۔

مچھلیوں کی پیداوار میں ہندوستان ۶ ممالک کے بعد ساتویں نمبر پر ہے۔ ہندوستان

میں کم و بیش ۴۰۰۰ کروڑ کی آمدنی سالانہ ہوتی ہے۔ (حوالہ سابق)

ماہی گیر پیشہ بھی تجارتی مفاد کے لحاظ سے اہم تجارت ہے طلبہ و نوجوان اس کو اپنا ذریعہ معاش بنا سکتے ہیں۔

ناکام تجارتوں کے خدوخال

محمد توصیف امین

چار پٹھان دوستوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ اچھی معاشی حالت کیلئے تجارت کریں گے۔اورانہوں نے مل کر گیراج (Garage) کھولا۔مہینے گزر گئے ایک گاہک نہیں آیا ۔دراصل ان لوگوں نے چوتھے منزلے پر گیراج کھولی تھی۔ان میں سے ایک نے رائے دی کہ چلو ہم ٹیکسی چلانا (Cab Services) شروع کرتے ہیں۔اس میں بھی ہفتے گزر گئے کوئی سوار نہیں آیا۔کیونکہ چاروں پٹھان ہمیشہ ٹیکسی میں بیٹھے رہتے تھے۔تنگ آکر انہوں نے طے کیا کہ اس ٹیکسی کو پھینک دیتے ہیں،ہم سے تو تجارت ہونے سے رہی ۔قریب کے پہاڑ پر کار پھنکنے پہونچے۔بہت کوشش کی کہ گاڑی کو نیچے ڈھکیل دیں لیکن گاڑی ایک انچ نہ ہلی۔کیونکہ دو پٹھان سامنے سے ڈھکیل رہیں تھے اور باقی دو پیچھے سے۔

ہائے رے یہ ناکامی۔۔۔

ویسے تو تجارت کی دنیامیں کامیابی اور ناکامی کی ہزاروں کہانیاں پڑھنے کو ملیں گی۔ایسی ہی مثالی زندگی نریش گوئل کی بھی ہے۔نریش گوئل کے والد کا انتقال نریش کے بچپن میں ہوگیا۔ابھی چھٹی جماعت میں ہی تھے،تو ایک اور امتحان سے گذرنا پڑا۔انکی فیملی سخت معاشی بحران کا شکار ہوگئی۔ایک موقع سے نریش گوئل کا ویر سانگھوی نے انٹرویو لیا۔ان سے پوچھا زندگی میں سب سے مشکل ترین وقت کب گذرا؟ کہنے لگے جب میرے پاس کچھ بھی پیسے نہ تھے،نہ کھانے کیلئے ، نہ ہی تعلیم کا کچھ انتظام تھا،اور نہ ہی سر چھپانے کو جگہ!یہ وہ وقت تھا جب میری فیملی معاشی بحران سے گذر رہی تھی اور میں بارہ سال کا تھا۔سر چھپانے بڑی مشکل سے رشتہ دار کے گھر جگہ ملی۔حالت بہت خراب تھی کہ اسکول بہت دور اور سائکل خریدنے پیسے نہیں تھے۔میں چارٹرڈ اکاونٹنٹ (CA) بننا چاہتا تھا،دن بہ دن حالات خراب ہورہے تھے،تعلیم منقطع کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا،اس لیئے چارٹرڈ اکاونٹنٹ (CA) کی بجائے Bachelors in commerce میں داخلہ لینا پڑا۔تعلیم مکمل ہوتے ہی لیبنیز انٹرنیشنل ائرلائنس Lebanese International Airlines سے کام کی شروعات کی،ابتدا میں ۳۰۰ روپے ماہانہ تنخواہ ملنا شروع ہوئی۔میرا خواب تھا کہ بڑا تاجر بنوں،لیبنیز انٹرنیشنل ائرلائنس میں مسلسل سات سال کام کیا۔پوری تجارت کو اچھی طرح سے سمجھا،جستجو اور مسلسل محنت کرتا،اکثر کام کرتے آفس میں سوجایا کرتا تھا۔25 سال کی عمر میں انہوں نے خود کا کام شروع کیا۔اپنی ماں سے 500 Euros لیئے اور Jet Air Ltd کی بنیاد ڈالی۔۱۹۹۱ میں حکومت ہند نے ہوائی صنعت ورفت کی اسکیمیں نکالی تا کہ تجارت میں اور ہندوستان کی ترقی میں اضافہ ہو،ایسے موقع کا فائدہ اٹھا کر نریش گوئل نے Jet Airway کی شروعات کی۔آج نریش گوئل 3.2 بلین ڈالرس کئے مالک ہیں اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بہت قابل تاجر مانے جاتے ہیں۔نریش گوئل کا یہ سفر ایک انٹر پرئینر کو بہت سے سبق دیتا ہے۔ سخت حالات میں مظبوطی،حالات کے حساب سے فیصلوں پر نظر ثانی،جس محاذ سے جڑیں ہوں،اسکی گہری معلومات،مواقع تلاش کر کے صحیح وقت پر فائدہ اٹھانا اور حکومتی اسکیموں کا مناسب استعمال کرنا،وغیرہ۔

تجارتوں کی کامیابی وناکامی کا جائزہ

تجارتوں کا ہر سال جائزہ لینا مینجمنٹ دنیا کا خاصہ ہے۔پچھلے ۱۰ سالوں میں ہوئے انٹر پرینرس، تاجروں کی بڑی اور چھوٹی تجارتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد غیر معمولی حقیقتیں سامنے آئی۔58% تجارتیں پہلے سال میں ناکام ہوجاتی ہیں۔بچے 42% میں سے صرف 36% فیصدی ہی دوسرے سال تک باقی ٹک پاتی ہیں۔اوراس میں سے بھی ۵ سال بعد 15% ہی کامیاب ہوتی ہیں۔

کل ملا کر پہلے ہی دو سال میں 85% تجارتیں ناکام ہوجاتی ہیں۔اور سات سال ہونے تک 97.74% فیصدی ناکام ہوجاتی ہیں صرف اور صرف 2.26% ہی کامیاب ہو پاتی ہیں۔جو سات سال بعد کامیاب ہوئے،یعنی جو تجارت منافع دے بھی رہی ہو،ان میں سے 42 فیصدی ایسی ہیں جو سات سال تجارت کی بجائے،کسی اور کے پاس کرتے تو انکی مہارت (Expertisation) کے حساب سے،کسی اور کے پاس کام کرنے میں کئی زیادہ پیسے کماتے،یہ تجارت کو دیئے گیا manhours کے حساب سے ہے،یہ تجزیہ تو ارادوں کو کمزور کرنے والا ہے،ان چیزوں کو رکھنے کا مقصد،ان وجوہات کو جاننا ہے،جن سے تاجر ناکام ہوئے،تاکہ مستقبل میں تجارت کا مقصد رکھنے والے (انٹر پریزس) اور تجارتیں چاہے چھوٹے معیار کی ہو یا بڑے،مسائل سے بچ سکیں اور کامیاب تجارت سے ہمکنار ہوں۔

ناکام تجارت کی وجوہات اور حل:

(۱) غیر منصوبہ بندی اور کمزور انتظامیہ، لیڈر (انٹر پر یزس)

کمزور انتظامیہ کمپنی کی سائز اور ورکرس کی تعداد پر الگ الگ اثرات ڈالتی ہے۔ اگر آپ چھوٹی تجارت (small business) کر رہے ہیں تو آپ خود لیڈر کی حیثیت میں ہے، انتظامیہ ہے۔ ٹرن اروند مینجمنٹ سوسائٹی (Turnaround Management Society) اپنی کی رپورٹ میں ناکام تجارت کی سب سے بڑی وجہ کمزور انتظامیہ کو مانتی ہے۔ جس میں 55 فیصدی ناکامی کی وجہ انتظامیہ کی طرف (انٹر پر یزس) کا تجارت کیلئے وہ حکمت عملی اختیار کرنا جو غیر مفید ہو۔ اور باقی اگر حکمت عملی درست بھی ہو تو نیچے کی ٹیم یا ورکرس کو صحیح وضاحت نہ کرنے سے ناکام ہو یہ ہیں۔ اس بیماری کو Failure to communicate کہا جاتا ہے، کوشش کی جائے گفتگو Dialogue ہو نہ کہ ایکالاپ Monologue۔ جو بھی تاجر ہو، ہو تجارت کی مکمل معلومات، حکومت کی طرف سے ملنی والی سہولتیں نیچے آنے والی تمام باتیں۔ ترکیب و ترتیب ہر معاملے کا دھیان رکھنا ہوگا۔ جو کامیاب تاجر ہیں انکے ساتھ وقت بتانا چاہیئے۔ تجارت کی نشونما ہر پہلو کو ذہن میں رکھ کر کرنا ہوگا۔

(Wake up to realize, it's your baby you are the founder #entrepreneur)

غیر منصوبہ بندی دوسرا پہلو ہے۔ آپ جو کوئی تجارت کرنا چاہتے ہوں اس کو ترتیب کے ساتھ لکھئے، جس میں وقت۔ کام کون کریگا، کب کریگا۔ کہاں انجام دیا جائے گا، کیسے ہوگا، کس کام کے بعد کیا کرنا ہوگا لکھئے۔ منصوبہ بندی ضروری ہے۔ ورنہ آپ نکلیں گے کہیں کو اور پہنچے گے بوریا بستر لپیٹ کر گھر کو۔ ان امراض کا حل آسان ہے اچھی منصوبہ بندی کیجیے اور خود ہر معاملہ سے آگہی رکھتے ہوئے انتھک محنت کریں۔

ہاتھ آتا نہیں ان کو بھٹکنے کے سوا کچھ
جو لوگ سفر کا کوئی نقشہ نہیں رکھتے

تاجر کی شخصیت کا کردار: گاہک کو جو اشیاء بیچی جا رہی ہو، جہاں ایک طرف اشیاء کی مظبوطی، عمر (Durability) معنی رکھتی ہے وہیں اسکی خوبصورتی، بناوٹ لازمی عنصر ہے۔ اسی طرح جو اشیاء کو بیچ رہا ہو اسکی شخصیت کا تجارت میں بہت کلیدی کردار ہوتا ہے۔ ایک کامیاب تاجر اپنے ورکرس کو کریڈٹ دیتا ہے نا کہ خود کی شیخی بھگارتا رہے۔ اور ناکامی کے وقت ذمہ داری خود قبول کرتا ہے۔ بجائے دوسروں پر الزام تراشی کرنے کے۔ ساتھ کام کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ ہر دن مارکیٹ و تجارت کے متعلق مسلسل پڑھتا رہتا ہے۔ نئے نئے مشوروں کو حاصل کرتا اور غور کرتا ہے۔ دوسروں کی کامیابی کو حسد و جلن کی بجائے مثبت سوچ کے ساتھ مقابلہ سمجھتا ہے۔ دوسروں کو معلومات دینے میں کبھی نہیں گھبراتا ہے۔ دن کی شروعات خوشی سے کرتا، مسائل سے متاثر ہوئے بغیر کاموں کی فہرست بنا کر انجام کیلئے کوشاں رہتا ہے۔ اسی کے مدمقابل ناکام تجارت میں تاجر کی منفی شخصیت اثر کرتی ہے۔ کام کرنے والوں پر الزام تراشی کرنا، کریڈٹ ہمیشہ خود لینا، مثبت کی بجائے دوسرے کامیاب تاجروں سے جلن و حسد کرنا، معلومات اور روز بروز کی خبروں سے دور رہنا، اور مل بھی جائے تو شیئر کرنے میں خود کی ہار سمجھنا وغیرہ۔

(2) غلط جگہ کا تعین

مشہور جملہ ہے کہ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے۔ لیکن شروعاتی تجارت میں کنویں کو پیاسوں کے درمیان میں جانا ہوگا۔ آپ جو تجارت کریں دیکھیں وہاں وہی سامان کون بیچ رہا ہے۔ عوام کے آنے جانے کی کثرت کہاں کیسی ہے۔ عوام کی معاشی حالت کیسی ہے۔ آپکی تجارت دوسرے اشیا سے منسلک ہوں تو موجود مارکیٹ کہاں ہے۔ مثال کے طور سے آپ صرف موبائل سے منسلک چیزیں بیچتے ہوں تو جہاں موبائل بکتے ہوں آپ وہاں ہونے چاہیے، اس تجارت میں گاہک کی ایک سے زیادہ Options دیکھنے کی عادت کا دخل ہوتا ہے۔ تجارت کے حساب سے بھیڑ بھاڑ سے دوری طے کریں وغیرہ۔ ابتدا میں لکھے گئے لطیفے کی طرح آپکا گیرج چوتھے منزلے پر نہ بنائیں بھلا ہی مثال میں مبالغہ آرائی ہے۔

(3) گاہک اور مارکیٹ کی ناکافی منصوبہ بندی

تجارت کے کامیابی کی کنجی گاہک کے پاس ہے۔ اب اس کے پاس آپ جائیں یا اسکو اپنے پاس آنے پر مجبور کریں یہ منحصر کرتا ہے۔ آپکو گاہک کی سوچ، رہن سہن، نوکریوں، درد و تکالیف، قدروں اور خوابوں کی گہری اسٹڈی کرنی ہونگی۔ اس میں آپ ناکام ہوئے تو ناکام تجارت کی بنیاد ہوگی۔ گاہک کی زبان سمجھنے کے لیے Dialogue کرنا ہوگا۔ Twitter کے 140 حرف یہاں کام نہیں کرنے والے۔ آپکو گاہک کو منانا ہوگا۔ تین چیزوں کا خیال رکھیں (Be Clear, Be Consice and Be Compelling)۔ مارکیٹ کا صحیح تعین اپنے آپ میں انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر دن انٹر پرنرشپ کی طرف لوگ بے تحاشہ بڑھ رہے ہے۔ کل مقابلہ 5000 سے تھا آج دس گناہ بڑھ گیا ہے۔ ایسے میں پیچھے کچروں کی فہرست میں پڑھے رہنے کی بجائے انفرادی حیثیت کے ساتھ لڑنا ہوگا۔ جس مارکیٹ کو آپ چنیں، وہ اور اسمیں لگنے والی تمام اشیاء، رابطے کے ذرائع، صنعت و تجارت کے ذرائع میسر ہونے چاہئے۔

(4) پیسے کا بہاؤ (نقد بہاؤ Cash Flow) اور سرمایہ کی کمی۔

تجارت مین منصوبہ بندی کہ بعد کچھ مخفی اخراجات باقی رہ جاتے ہیں۔ جو عملی میدان میں سمجھ آتے ہیں۔ اور سرمایہ کی ضرورت طے شدہ سے زیادہ پڑتی ہے، نتیجتاً تجارت ختم۔۔۔ اس لیے منصوبہ بندی کے بعد بھی اضافی پیسے کی ضرورت ہے۔ ناکام تجارت کے اندرونی وجوہات کو تحریر کرتے ہوئے ڈاکٹر کرسٹاف لمبرسکی مالیاتی بہاؤ یا پیسے کے بہاؤ کو بڑی وجہ بتاتے ہیں۔ 1984 میں 75% تجارت مال کی کمی کے بنا پر ناکام ہوئی ہے۔ اور 2014 کے مطابق 36% تجارتیں سرمایہ کی کمی کہ بنا پر ناکام ہوئی ہے۔ پیسے کا بہاؤ غیر متوقع وجوہات پر منحصر کرتا ہے۔ جس میں حادثاتی نقصان، گاہک کی ادھاریاں۔ مال کا بہت زیادہ ادھار دے دینا یا اوپر سے لینا وغیرہ وغیرہ، ایک منافع دینے والی تجارت بھی صحیح پیسے کے بہاؤ نہ ہونے پر ناکام ہو سکتی ہے۔ ان پر قابو اضافی رقم محفوظ رکھ کر حل کیا جا سکتا ہے

(5) مقابلہ کا جائزہ

دو یکساں تجارتیں ایک جگہ آجائے تو عموماً نقصاندہ سمجھا جاتا ہے۔ اصل ایسا نہیں ہے، کبھی کبھی آپکو ایسی جگہ جا کر تجارت کرنی ہوگی جہاں صرف وہی سامان بکتا ہوں۔ مثال کے طور پر مچھلی مارکیٹ، کوئی فرد یہ سوچے کے میں دور کہیں تجارت شروع کروں گا جو مارکیٹ سے دور ہو، ممکن نہیں۔ لیکن کچھ تجارتیں بالکل مختلف ہوگی۔ مقابلہ کا جائزہ تجارت شروع ہونے سے پہلے اور تجارت کے دوران دونوں موقع سے جاری رہے گا۔ یکساں تجارت Common Business ایک دوسرے کی تجارتی قیمتوں کے فرق سے متاثر ہوتی ہیں۔

(6) رسک مینجمنٹ کی کمی (خطرات کی خصوصیت سے آگہی)

ناگہانی حالات اور مسائل تجارت میں آئے دن آتے رہتے ہیں۔ان پر مکمل لگام لگانا، سرے سے ختم کر لینا ممکن نہیں، لیکن قابو پایا جا سکتا ہے۔ آپ اشیاء کی تجارت کے کس مرحلہ سے جڑیں ہیں اس پر رسک مینجمنٹ منحصر کرتا ہے۔ پھر وہ (Design, Development, Production, Marketting, Selling, Sustainability) مرحلوں سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ آسان طریقہ یہ ہیکہ مسائل و خطرات کی خصوصیات کی گہری سمجھ پیدا کریں۔ مثال کے طور پر آپ کی تجارت موسم پر منحصر کرتی ہو تو موسم کی تبدیلی کی خصوصیات سے آگاہ رہ کر آپ پہلے سے تیار رہ سکتے ہیں۔

(7) مارکیٹنگ (تشہیر)

تجارت کی ریڑھ کی ہڈی تشہیر ہے۔اور تشہیر ہی آج اپنے آپ میں تجارت ہو گئی ہے۔اس پر بہت زیادہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بس یہ خیال کریں کہ تشہیر زیادہ سے زیادہ ہو۔اور میسر تمام ہی ذرائع (سوشل میڈیا، رہنڈبل، فلیکس وغیرہ) سبھی کا استعمال کریں۔

(8) کم منافع

بہت ساری تجارتیں منافع کما نہیں پاتیں اور کچھ کامیاب ہو بھی جائیں تو ٹک نہیں پاتیں۔ جب ایسی صورت آجائے تو Cost Cutting پر دھیان دیں۔ اور منافع کہاں کہاں سے بڑھایا جا سکتا ہے گنجائش نکالیں۔

بہت پہلے کی بات ہے ایک غریب آدمی نے تجارت کا ارادہ کیا۔اس نے دیکھا کے شکر بیچنے میں فائدہ ہے، اور اتنا پیسہ وہ جمع کر پائیگا کہ شکر کی تجارت کی جائے۔اس نے تجارت شروع کی روزانہ وہ ایک شکر کی بوری خریدتا اور مارکیٹ جا کر بیچتا تھا۔اس کی لاگت واپس تو آجاتی تھی اور روزانہ کھانے کا انتظام ہو جایا کرتا تھا۔لیکن اس نے سوچا ایسا کب تک چلیگا۔ ایسے سے کبھی آگے نہیں بڑھ پاؤں گا۔اس نے منافع کے بارے میں سوچا تو خیال آیا روزانہ یہ شکر کی بوری بچ جاتی ہے۔ میں اسے بیچ کر منافع جمع کرونگا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ دو بوری شکر لینے کے قابل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شکر کا بڑا تاجر بن کر ابھرا۔ ایک چھوٹی سے بچت یا جن کو ہم ضائع سمجھتے ہیں اسکا صحیح استعمال تقدیر بدل سکتا ہے۔تجارت میں کم منافع کی وجہ معلوم کریں اور مسائل حل کرے۔

(9) تجارت کا بہت رفتار سے بڑھنا

ہر کوئی چاہتا ہے کہ اسکی تجارت بہت جلد انچائیوں پر پہونچے، مگر اچانک تجارت میں اضافہ اکثر غلط فیصلوں کی راہ پر لا چھوڑتا ہے۔ ہر تاجر کو پوری ہوش مندی سے فیصلے کرنے چاہیئے۔ فیصلہ ایک بار ہو، بار بار فیصلے بدلنے سے پرہیز کریں۔ فیصلوں پر نظر ثانی فیصلوں کی موت ہے۔ فروختی میں اضافہ ہو یا کمی دونوں میں عقلمندی سے کام ضروری ہے۔

(10) غیر مرکوز توجہ:

تجارت میں بیک وقت کئی معملات پر گہری نظر چاہیئے، ایسے میں تجارت سے منسلک مسائل سے صرف نظر کر کے دیگر امور پر توجہ کرنا نقصاندہ ثابت ہوتا ہے۔ غیر مرکوز توجہ کی کئی وجوہات میں سب سے اہم انسان کی فطرت 'ھل من مزید' زیادہ کی خواہش بھی اکثر صحیح دشا سے ہٹا دیتی ہے۔ انسان کم وقت میں بہت زیادہ کمانے کے پیچھے بہت سے فسانے چھیڑ دیتا ہے۔ بیک وقت کئی تجارتوں میں توجہ ممکن تو ہے لیکن بغیر منصوبہ بندی کے مشکل، اور اکثر غیر منصوبہ بندی ہی غیر مرکوز توجہ کا باعث بنتا ہے۔ تجارت میں ہر دن Challenges آتے رہتے ہیں۔ ان مسائل کو مصیبت سمجھنا، راحت و سکون کی عادتوں سے غیر مرکوز توجہ کو دعوت دینا ناکام تجارتوں کی عام وجہ ہے۔ اسکے علاوہ گھریلو زندگی کے مسائل کو تجارت پر اثر انداز ہونے دینا براہ راست تجارت پر اثر تو نہیں کرتا البتہ غیر مرکوز توجہ کیلئے سب سے بڑا مخفی عنصر ہے۔

(11) غلط پارٹنر:

عمومی تصور یہ ہے کہ کامیاب تجارت کیلئے اجارہ داری (Monopoly) اچھی چیز ہے لیکن تجارت کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں تجارتیں جو حصہ داری، پارٹنر شپ پر چل رہی ہیں، وقت کی بہترین، کامیاب، مثالی تجارتیں ہیں۔ بہت حد تک کامیاب تجارت کیلئے اجارہ داری کا ہونا غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ تجارت کیلئے اجارہ داری کا اچھا اور صحیح ہونا بہت سی ناکام تجارتوں کی دین ہے۔ پارٹنر شپ کی مصیبتوں و مسائل سے بچنے کیلئے ہر کوئی Monopoly کو اچھا سمجھتا ہے جسکی سیدھی وجہ غلط پارٹنر کا تعین ہے، اگر ساتھی اچھا ہو تو براہ راست کامیاب تجارت کیلئے معاون ثابت ہوتا ہے وہیں ایک غلط پارٹنر تجارت کو صفر پر لا کھڑا کرتا ہے۔ صحیح پارٹنر کا تعین میں بہت سے عناصر شامل ہیں۔ پارٹنر دو قسم کے ہوتے ہیں (Active and Sleeping Partner) دونوں کے تعین میں شرائط الگ الگ ہیں۔ Sleeping پارٹنر سے تو صرف پیسے کا تعلق ہوتا ہے، وہیں ایکٹیو پارٹنر کو منتخب کرنے میں پیسے، اسکی صلاحیتیں تعلیمی قابلیت، مزاج و طبیعت، وقت کی پابندی، محنت و مشققت، رجحانات دیکھے جا سکتے ہیں۔

(12) اسٹاک پر نگرانی کی کمی

یہ Inventory Management کا حصہ ہے۔ گاہک اپنی ضرورت سے آتا ہے جب اسکو یہ تجربہ ہو جائے یہاں فلاں فلاں کے پاس ضرورت کے وقت مال نہیں ملتا ہے اور فلاں جگہ ملتا ہے تو یہ ایک چھوٹا سا تجربہ ہمیشہ کیلئے گاہک کو آپ سے دور کر دے سکتا ہے۔ بکثرت گاہک کی آپ سے دوری کی وجہ اسٹاک کی کمی بھی ثابت ہوتی ہے۔ جب آپ دیکھتے ہیں گاہک کی ضرورت سے کم مال رہ رہا ہے تو آپ جذباتی ہو کر بہت زیادہ مال میں اضافت کر لیتے ہیں یہ زیادتی تجارت کو دوسری سمت سے متاثر کرتی ہے۔ کل ملا کر ضرورت کے مطابق، حسابات کو نگاہ میں رکھ کر، مستقل اسٹاک پر نگرانی ممکن ہے۔

(13) جدید ٹیکنالوجی سے لاعلمی:

تجارت کیلئے جدید ٹیکنالوجی کا جتنا علم چاہیے، نئی نسل کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے۔ جدید ٹیکنالوجی سے لاعلمی کا مسئلہ قدیم، عمر دراز، اور دقیانوس سوچ والے افراد کو ہوتا ہے۔ خصوصی وہ لوگ جو تجارت پہلے سے کرتے آرہے ہوں، اور وہ جدید ٹیکنالوجی سے اپنے آپ کو آراستہ نہیں کرتے۔ جدید ٹیکنالوجی سے تاجر نہ صرف اچھی تجارت کر سکتا ہے بلکہ وہ تجارت کو عالمی تجارت بنا سکتا ہے۔ ٹیکنالوجی تجارت کا بہتر ٹریک رکھنے میں مدد کرتی ہے، تاجر کی اور تجارت کی کارکردگی میں کئی رفتار سے اضافی کرتی ہے۔ وہیں اس سے لاعلمی مقابلہ بڑھا دیتی ہے، محنت غلط سمت میں لگانے پر مجبور کرتی ہے، بیجا چیزوں میں مصروفیت کی راہیں کھولتی ہے۔

ناکام تجارت کے کئی عوامل ہو سکتے ہیں، کچھ چیزیں میدان میں اترنے سے بھی سمجھ آتی ہے۔ اوپر بہت اہم نقطوں پر بحث کی گئی کچھ اہم مگر ضمنی باتیں جن میں، یکساں تجارت Common Business میں تشہیر کا بوسیدہ پن، حکومت کی اسکیموں سے دوری، تجارت اور ذاتی اخراجات کے حساب کو ملا دینا بھی تجارتوں کو ناکام کرتی ہیں۔

اٹل، اڈوانی اور بی جے پی

(گذشتہ سے پیوستہ)

شبیع الزماں

سنگھ کے لئے ہندوستانی سیاست آسان ثابت نہیں ہوئی۔ نہرو کے افکار اور اسکا بنایا ہوا نظام اب بھی اس کی راہ میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔ ۱۹۸۰ کے دہے کے آخر تک جن سنگھ اپنے دم پر کوئی مضبوط سیاسی قوت نہیں بن سکی تھی ۔ ۱۹۷۵ میں اندرا گاندھی نے ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی جو ۱۹۷۷ میں ختم ہوئی ۔ ۱۹۷۷ میں جن سنگھ نے کئی دیگر پارٹیوں کے ساتھ مل کر جنتا پارٹی بنائی۔ ایمرجنسی کے ردعمل کے طور پر کانگریس مخالف پارٹیوں نے مل کر غیر کانگریسی حکومت بنانے کے لئے جنتا پارٹی بنائی اور ۱۹۷۷ کے انتخابات میں کانگریس کو شکست ہوئی اس طرح پہلی مرتبہ آزاد ہندوستان میں کوئی غیر کانگریسی حکومت قائم ہوئی۔ جنتا پارٹی مختلف افکار اور نظریات رکھنے والے افراد کی پارٹی تھی جو پالیسی کے اختلافات اور قلمدانوں کے بٹوارے کی سے وجہ بہت جلد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ ۱۹۷۹ میں وزیر اعظم مرارجی دیسائی نے استعفیٰ دے دیا اور اس کے بعد چودھری چرن سنگھ اکثریت ثابت کرنے میں ناکام رہے اس طرح جنتا پارٹی بکھر گئی۔

جنتا پارٹی میں ایک طرف تو سوشلسٹ لیڈر تھے اور دوسری طرف سرمایا داروں کے مفادات کی نگرانی کرنے والے لیڈر۔ اس لئے یہ پارٹی کسی بھی طرح کی معاشی اصلاحات کرنے میں ناکام رہی۔ دوسری طرف نظریاتی سطح پر جنتا پارٹی میں سیکولر اور سوشلسٹ ذہن رکھنے والے افراد بھی تھے ااور ہندوتوادی بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ان دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے گئے۔ اور ملک میں بڑھتے فرقہ وارانہ ماحول ہندو مسلم فسادات کے اور اس میں سنگھ کا رول ان باتوں کے پیش نظر اڈوانی اور اٹل پر بار بار دباؤ بڑھایا جانے لگا کہ یا تو حکومت کی کرسیاں بچائے یا آر ایس ایس کی ممبر شپ تلف کر دیں۔ یعنی ان کے سامنے دو آپشنز رکھے گئے کہ آیا انھیں حکومت یا آر ایس ایس دونوں میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔ اٹل، اڈوانی اور دوسرے ہندوتوا ممبران نے حکومت کے بالمقابل آر ایس ایس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور حکومت سے استعفیٰ دے دیا۔

مرارجی دیسائی حکومت معاشی اصلاحات نافذ کرنے میں ناکام رہی، حکومت پر بدعنوانی کے الزامات لگتے رہے۔ مرارجی دیسائی کی ہندوتواوادیوں سے قربت، پارٹی کے اندرونی خلفشار اور ٹوٹ پھوٹ یہ تمام عوامل جنتا پارٹی کو لے ڈوبے۔ اٹل اور اڈوانی نے جنتا پارٹی سے الگ ہو کر آر ایس ایس کی نگرانی میں راست طور پر ہندوتوا کے ایجنڈہ کو آگے بڑھانے کے لئے بھارتیہ جنتا پارٹی یعنی بی جے پی قائم کی۔ اٹل بہاری واجپائی بی جے پی کا پہلا صدر رہا۔ بی جے پی نے اپنے ابتدائی دنوں میں جنتا پارٹی ہی کے نظریہ پر کام کرنا شروع کیا اور گاندھیائی سوشلزم یا دین دیال اپادھیائے کے Integral Humanism کو پارٹی کی بنیادی فکر کے طور پر اپنایا۔ لیکن کسی تعمیری فکر کو لے کر کوئی کام کرنا سنگھ کے بس کی بات نہیں۔ نتائج ظاہر تھے بی جے پی اپنے اثرات قائم کرنے میں ناکام رہی اور ۱۹۸۴ کے انتخابات میں اس کے حصہ میں صرف دو سیٹیں آئیں۔ اندرا گاندھی کے قتل کی وجہ سے کانگریس کو عوامی ہمدردی حاصل ہوئی اور اس کے نصیب میں ۴۰۳ سیٹیں آ گئیں۔ واجپائی کی اعتدال پسند پالیسی کی وجہ سے بی جے پی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اس کے بعد پارٹی اپنی فکر بدلنے پر مجبور ہوئی اور اسے سخت ہندوتوا کی طرف لوٹنا پڑا اس کے نتیجہ میں ۱۹۸۴ میں اڈوانی کو پارٹی کا صدر بنایا گیا۔ اڈوانی کی پیدائش کراچی میں ہوئی تھی ، وہ ابتدائی زمانہ سے ہی سنگھ سے وابستہ رہا۔ بٹوارہ کے بعد اڈوانی اپنے خاندان کے ساتھ ہندوستان منتقل ہو گیا۔ بٹوارہ کے بعد راجستھان کے الور میں زبردست فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ اڈوانی کو سنگھ کی طرف سے الور بھیجا گیا تھا جہاں اس نے ۱۹۵۲ تک ہندوؤں کے مفادات کے لئے کام کیا تھا۔ ۱۹۵۲ میں اسے راجستھان میں سنگھ کا سیکریٹری بنایا گیا۔ بہت جلد وہ جن سنگھ کا جنرل سیکریٹری بن گیا اور ۱۹۷۸ میں جن سنگھ کا قومی صدر بن گیا۔ ۱۹۸۴ میں واجپائی کی اعتدال پسند پالیسیوں کی ناکامی کے بعد ۱۹۸۴ میں وہ بی جے پی کا قومی صدر بن گیا۔

۸۰ کی دہائی میں سنگھ کو اپنی فکر کو پھیلانے اور ماحول کو آلودہ کرنے کے کئی مواقع ہاتھ آئے اور سنگھ نے ان کا بھر پور استعمال کیا۔فروری ۱۹۸۱ میں میناکشی پورم میں ایک ہزار کے قریب ہریجنوں نے اسلام قبول کرلیا۔گاؤں کے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر، ذات پات اور چھوت اچھوت کے نظام سے بیزار ہوکر اس سے آزاد ہونے کے لئے انھوں نے اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لی تھی۔

پریس نے اس معاملہ کوخوب بگاڑ کر پیش کیا اور اس کو پیٹروڈالر کی کرامت بتایا گیا جس میں جماعت اسلامی اور دوسری اسلامی جماعتوں کا منفی رول بھی بتایا گیا۔بی جے پی، سنگھ، اور وی ایچ، پی نے اس معاملہ کوخوب ہوا دی اور ہندوؤں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کیا اور بتایا کہ آج بھی ہندو محفوظ نہیں ہیں۔ حکومت پر دباؤ بنایا گیا کہ تبدیلی مذہب پر روک لگانے کے لیے قانون بنایا جائے۔اٹل بہاری واجپائی اور سنگھ کے بڑے لیڈروں نے دورہ کر کے کوشش کی کسی طرح اس لوگوں کو واپس ہندو مذہب میں لایا جائے لیکن سب کوششیں ناکام رہی۔ اور اسی طرح کے کئی واقعات اس دہے میں ہوئیں جس سے بی جے پی کو اپنے سیاسی ایجنڈہ کو گرمانے اور اپنے ووٹ بینک کو مضبوط کرنے کا خوب موقع ملا۔اس طرح کے مسلسل واقعات سے سنگھ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور ہندوؤں کے بڑے طبقہ میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا۔یہ سنگھ کی کامیابی تھی کی اس نے اکثریتی طبقے کے اندار اقلیت کی سوچ پیدا کردی۔ ۱۹۸۳ میں پنجاب میں خالستانی تحریک، بنگلادیشی مہاجرین کا ہوّا، پوپ کا ہندوستانی سفر، شاہ بانو کیس میں مسلمانوں کی تحریک، سلمان رشدی کی کتاب پر راجیو گاندھی حکومت کی پابندی یہ وہ تمام حالات تھے کہ جس نے سنگھ اور بی جے پی کے لئے خوب ماحول پیدا کیا اور ان حالات کا بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے بی جے پی نے اپنے ووٹ بینک کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کیا۔ان حالات کا سب سے زیادہ فائدہ وی ایچ پی نے اٹھایا، ہندوؤں کو خطرات سے بچانے کے لئے پورے ہندوستان میں کانفرنسیں کی گئیں۔ ان میں ہندو اتحاد اور ہندو کانفرنس مشہور کانفرنسیں ہوئیں۔ وراٹ ہندو سماج نامی تنظیم اسی دور میں قائم ہوئی تھی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ سنگھ کے جلسوں میں بی جے پی کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں کانگریس کے لیڈران بھی شامل ہوتے رہے۔ان پروگراموں میں ہندو اتحاد، ہندوؤں کا تحفظ، باہری پیسہ، یونیفارم سول کوڈ وغیرہ پر زوردار تقاریر اور نعرہ بازی ہوا کرتی تھی۔

۱۹۸۰ میں وشو ہندو پریشد نے پورے ملک میں رام مندر تحریک شروع کی، وشو ہندو پریشد، آر ایس ایس کی ذیلی تنظیم ہے۔وی ایچ پی ہندوتوا کی بنیاد پر بننے والی عسکری تنظیم (ملیٹینٹ آرگنائزیشن) ہے۔ وی ایچ پی ایک ایسی دہشت گرد تنظیم ہیجو ملک میں کئی دہشت گردانہ کاروائیاں انجام دے چکیہے۔بجرنگ دل، وی ایچ پی کی نوجوانوں کی تنظیم ہے اسی طرح دُرگاواہی نی خواتین کی، یہ سب دائیں بازو کی تنظیمیں ہیں جوزورزبردستی اور تشدد پر یقین رکھتی ہیں۔وی ایچ پی کی بنیاد گولوالکر اور آپٹے نے ۱۹۶۴ میں رکھی تھی جس کا مقصد ہندو دھرم کے تحفظ کے لئے ہندوؤں کو منظم اور مجتمع کرنا قرار پایا تھا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ وی ایچ پی جیسی دہشت گرد تنظیم کییوم تاسیس کے موقع پر امن کے نوبل انعام یافتہ دلائی لاما مہمان خصوصی کے طور پر موجود تھے۔ وی ایچ پی اور بجرنگ دل ملک میں کئی دہشت گرد کاروائیاں کر چکے ہیں جیسے ۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات میں مسلمانوں کا قتل عام، گئورکشا کے نام پر قتل، عیسائی مشنریوں پر اڑیسہو ہریانہ میں حملے، عیسائیوں کا قتل، دنگے، مساجد میں بم بلاسٹ، مسلمانوں کو ہندو سوسائٹی میں گھر نہ لینے دینا حتیٰ کے بجرنگ دل کے کارکنان بم بناتے وقت اس کے پھٹنے سے بھی کئی دفعہ پکڑے گئے۔وی ایچ پی (پریشد) پورے ملک میں ہندوؤں کو متحد کرنا چاہتی تھی اور اسکے پاس اس مقصد کے لئے رام مندر سے اچھا کوئی اور موضوع نہیں تھا۔پریشد نے ملک بھر میں مختلف یاترائیں شروع کیں۔پریشد نے اس وقت پورے ملک کے ہندوؤں کو جوڑنے کے لیے ملک بھر میں اکتمتا یاترا شروع کی۔جو کھٹمنڈو سے شروع ہوکر تامل ناڈو، بنگال سے لے کر گجرات اور سومناتھ سے لیکر کنیا کماری تک کی گئی۔ان یاتراؤں میں ہندوؤں میں قوم پرستی کے جذبات کو بہت زیادہ بھڑکایا گیا۔اس یاترا میں پہلی مرتبہ بھارت ماتا کی

مورتی بنائی گئی اور اسے ملک بھر میں فروخت کیا گیا۔پریشد نے الہ آباد میں ۱۹۸۹ میں تیسری دھرم سنسد بلائی جس مین دو اہم فیصلے لیے گئے اول یہ کہ عوامی زندگی میں ہندو تہذیب کو اپنایا جائے دوسرے یہ کہ رام مندر کی تعمیر کے لیے انیٹوں کی پوجا اور شیلا نیاس (بنیاد رکھنا) شروع کیا جائے۔دھرم سنسد میں رام مندر کا ماڈل بھی دکھایا گیا۔اور اینٹیں جن پر جے شری رام لکھا تھا ہندوستان بھر میں انکی پوجا کے پروگرام کرنا طے پایا۔سنگھ اور پریشد نے پورے ملک میں گاؤں گاؤں سے اینٹیں جمع کرنے کا پروگرام طے کیا۔ملک بھر میں رام شیلا پوجن کی مہم شروع ہوگئی۔ ہندوستان کے طول وعرض میں بڑے پیمانے پر جلوس اور ریلیاں نکالی جانے لگی جس میں ہندوؤں کے جذبات بھڑکانے والے نعرے اور تقریریں کی جاتی اور بہت جلد پریشد نے مہم کے نام پر پورے ملک میں مسلمانوں پر حملے شروع کردیے۔یہ حملے راجستھان، مدھیہ پردیش، اتر پردیش، گجرات کے علاوہ ملک کے کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہوئے۔ان میں سب سے زیادہ بھیانک فساد یا حملہ بھاگلپور میں کیا گیا۔جہاں ہزاروں مسلمان مارے گئے۔پورے ملک میں مسلمانوں کا کروڑوں روپے کا مالی نقصان ہوا اور ہزاروں مسلمان مارے گئے۔پورے ملک سے اینٹوں کو اتر پردیش لایا جارہا تھا تاکہ رام مندر کی تعمیر ہوسکے ریاست اور مرکز دونوں میں کانگریس کی حکومت تھی لیکن کانگریس ان سب واقعات سے بے پرواہ تھی۔اسکی اپنی حکومت میں ہندوتوادیوں نے پورے ملک میں خوف اور دہشت کا ماحول پیدا کردیا لیکن اسکے کان پر جوں تک نہ رینگی اور اس نے کوئی اقدام نہ کیا۔۹ نومبر ۱۹۸۹ کو پریشد نے ایودھیا میں شیلا نیاس بھی کردی اور راجیو گاندھی نے اس پر اطمینان کا اظہار بھی کیا کہ شیلا نیاس پرامن طریقہ سے انجام پائی۔

اڈوانی نے صدر بنتے ہی وی ایچ پی سے قریبی تعلقات بنائے۔ اور اس کے رام مندر کے موضوع کو خوب گرمایا، رام مندر تحریک سے اڈوانی نے بی جے پی کے اندر ایک حرارت پیدا کر دی اور اسے اپنا الیکشن ایجنڈا بنایا۔ اس کی مدد سے ۱۹۸۹ کے جنرل الیکشن میں بی جے پی کے سیٹوں کی تعداد 2 سے بڑھ کے 84 ہوگئی۔ اڈوانی نے جب دیکھا کہ رام مندر کی تحریک غیر معمولی کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہے تو ستمبر ۱۹۹۰ میں اس نے پورے ملک میں رام مندر کی تعمیر کے لیے عوامی ماحول بنانے کے لیے یاترا نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اڈوانی کی رتھ یاترا نے ۸ ریاستوں کا سفر کیا جس میں اس نے ۱۰ ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ ان میں دو ریاستیں ایسی بھی تھی جہاں کانگریس کی حکومت تھی لیکن ان حکومتوں نے یاترا کو روکنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے۔ یہ یاترا سومناتھ، گجرات سے شروع ہو کر وسط ہندوستان سے ہوتے ہوئے ایودھیا جانا قرار پائی۔ سومناتھ اور ایودھیا دونوں مقامات مسلم بادشاہوں اور مسلم حملہ آوروں کی وجہ سے ہندو قوم پرستوں کے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔ یاترا جس بھی شہر میں جاتی وہاں سنگھ کے کارکنان گھنٹیاں بجا کر، تھالیاں پیٹ کر اور جذباتی نعروں سے اسکا استقبال کرتے۔ جذباتی ہندو رتھ کے پہیے پر لگی مٹی سے تلک کرتے۔ کئی مقامات پر ہندووں نے اپنے خون کا عطیہ بھی اڈوانی کو پیش کیا۔ یاترا میں ہزاروں کارسیوکوں نے حصہ لیا۔ یاترا ہزاروں دیہاتوں اور شہروں سے ہوتی ہوئی گزری۔ اڈوانی کا رتھ ایک دن میں تقریباً ۳۰۰ کلومیٹر کا سفر طے کرتا تھا اور اڈوانی بعض اوقات ایک دن میں ۶ ریلیوں سے خطاب کرتا تھا۔ یاترا غیر معمولی طور پر کامیاب رہی اس نے ہندووں میں متشدد مذہبی قسم کے جذبات بھڑکائے۔ یاترا نے متعدد مقامات پر فساد پھیلائے جسمیں ہزاروں لوگوں کی جانیں گئی۔ اس لیے اس یاترا کو خونی یاترا بھی کہا جاتا ہے۔ رام چندر گوہا نے اس یاترا کو ان الفاظ میں بیان کیا ''مذہبی، متشدد، بھڑکاؤ، اور مسلم مخالف''۔ یاترا مکمل طور سے مسلم مخالف جذبات لیے ہوئے تھی۔ یاترا کی ابتداء میں اڈوانی کو تیر کمان، تلوار اور بھگوا جھنڈا بطور تحفہ دیا گیا۔ یاترا جہاں سے بھی گزرتی اسکا غیر معمولی استقبال ہوتا۔ بعض مقامات پر ہندو قوم پرستوں نے اپنے خون سے بھرے کانچ کے برتن اڈوانی کو دیے۔ یاترا میں سب سے مشہور نعرہ یہ ہوتا ''گرو سے کہو ہم ہندو ہیں'' اڈوانی کی تقریریں رام اور بابر ان ہی دو ناموں کے گرد گھومتی۔ ہر شہر میں اڈوانی کو بڑے پیمانے پر ہتھیار تحفہ میں دیے جاتے۔ اڈوانی کو اتنے ہتھیار تحفہ میں دئے گئے کہ پرمود مہاجن نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ''ہمیں اتنے ہتھیار تحفہ میں ملے ہے کہ ہم ان ہتھیاروں کی مدد سے ایک دن میں رام جنم بھومی کو آزاد کرا سکتے ہیں''

آخر کار ۲۳ اکتوبر کو بہار کے وزیر اعلیٰ لالو پرساد یادو نے اڈوانی کی رتھ یاترا کو روکا اور اس کو حراست میں لیا گیا۔ اسطرح اس خونی یاترا کا خاتمہ ہوا۔ اسی دوران پریشد نے رام جیوتی یاترا کے نام سے مشعل لے کر پورے ملک میں گھومنے کا پروگرام بنایا۔ اس یاترا سے پورے ملک میں فساد بھوٹ پڑے اڈوانی کی گرفتاری نے فسادات کو اور ہوا دی۔ ان فسادات میں سیکڑوں مسلمانوں کی جانوں کا نقصان ہوا اربوں کی املاک تباہ کر دی گئی۔ دوسری طرف پورے ملک بھر سے کارسیوک ایودھیا میں جمع ہونا شروع ہو چکے تھے۔ ملائم سنگھ حکومت نے ایک لاکھ سے زیادہ کارسیوکوں کو گرفتار کیا اسکے باوجود ۷۵ ہزار سے زیادہ کارسیوک ایودھیا پہنچ گئے۔ کئی کارسیوک حفاظتی حصار توڑ کر مسجد تک جا پہنچے اور مسجد پر بھگوا پرچم لہرا دیا۔ سیکورٹی فورسیز کو آخری چارہ کار کے طور پر اپنے ہتھیار استعمال کرنے پڑے جس میں ۲۰ سے زیادہ کارسیوک مارے گئے۔ ہندی اخبارات نے کارسیوکوں کی موت کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا بعض اخبارات نے مرنے والوں کی تعداد ۱۰۰ تک لکھ دی۔ ملائم کو اسی زمانے میں ملا ملائم کا لقب دیا گیا۔ پریشد نے بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ اس کا غصہ غریب مسلمانوں پر نکالا گیا۔ وی ایچ پی نے مرے ہوئے کارسیوکوں کی راکھ اور ہڈیاں پورے ملک میں گھمائی جس سے ہندوں کے جذبات مشتعل ہوئے، فرقہ وارانہ ماحول خراب ہوا اور فسادات میں زبردست اضافہ ہوا۔ ان فسادات کو مسلمانوں پر حملے کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ کیونکہ ان فسادات میں ہندو قوم پرستوں نے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کیا۔ جے پور، جودھ پور، احمد باد، بروڈہ، حیدرآباد وغیرہ میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے۔ پورے ہندوستان میں دوسو سے زیادہ مقامات پر فساد ہوئے۔ مسلمانوں کا سب سے زیادہ نقصان اتر پردیش میں ہوا۔ بی جے پی نے ایودھیا تحریک کو ۱۹۹۱ کے انتخابات میں زوردار طریقے سے استعمال کیا۔ اس طرح بی جے پی نے اپنے ووٹ بینک میں زبردست اضافہ کیا۔ ۱۹۸۹ کے بالمقابل اسکا ووٹ بینک ڈبل ہو گیا جو ۱۱ فیصد سے بڑھ کر ۲۱ فیصد ہو گیا۔ لوک سبھا میں اسکی سیٹوں کی تعداد ۸۵ سے ۱۲۰ ہو گئی۔ اسکو کرناٹک، آسام اور تلنگانا جیسی ریاستوں میں داخلہ مل گیا۔ اور وہ کانگریس کے بعد ملک کی سب سے بڑی پارٹی بن گئی۔ اتر پردیش میں اسے سب سے زیادہ نشستیں ملیں اور یوپی اسمبلی میں اسے اکثریت ملی اور وہاں اسکی حکومت قائم ہوئی۔ اسی طرح وہ راجستھان، ہماچل اور مدھیہ پردیش میں سب سے بڑی پارٹی کے طور پر ابھری۔ کئی دوسری ریاستوں میں اسے عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔

سنگھ اس تجربہ کی کامیابی سے بہت خوش ہوا۔ اور اس کو آگے بڑھاتے ہوئے۔ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو وی ایچ پی، سنگھ، بی جے پی نے ایودھیا میں دیڑھ لاکھ کے قریب کارسیوکوں کو جمع کیا تاکہ مسجد شہید کی جاسکے۔

جہاں اوما بھارتی، مرلی منوہر جوشی، اڈوانی اور دوسرے بی جے پی لیڈروں نے خوب جذباتی تقریریں کیں جنہیں سن کر ہجوم بے قابو ہو گیا۔ ایک جنونی ہندو نے مسجد پر چڑھ کر بھگوا جھنڈا لہرا دیا۔ اسکے بعد بے قابو ہجوم نے چند گھنٹوں کے اندر مسجد کو زمیں بوس کر دیا۔ جسکے نتیجہ میں ملک بھر میں ہندو مسلم فسادات بھوٹ پڑے اور بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ رام مندر تحریک نے ہندووں کو متحد کر دیا۔ ہندو ووٹ بنک مضبوط ہوا کئی جگہ بی جے پی کی حکومتیں قائم ہوئی۔ مرکز میں پہلی دفعہ راست ہندوتوا فکر کی حکومت قائم ہوئی، ۱۹۹۶ میں ۱۳ دن کے لیے، ۱۹۹۸ میں ۱۳ مہینہ اور پھر ۱۹۹۸ میں پورے ۵ سال کے لیے۔

۸۰ کی دہائی سنگھ کے لئے تجربات کی دہائی تھی، اس دور میں سنگھ نے سماج کے ہر طبقہ میں کام کے لیے تنظیمیں بنائی۔ سیاست میں کام کرنے کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی، کسانوں میں کام کرنے کے لیے بھارتیہ کسان سنگھ، اساتذہ میں کام کرنے کے لیے اکھل بھارتیہ شکشک مہاسنگھ، تاریخ نگاری کی لیے بھارتیہ اتہاس سنکھلن یوجنا، وکلاء میں کام کرنے کے لیے اکھل بھارتیہ ادھوکتا پریشد، شعراء اور ادبی شخصیات میں کام کرنے کے لیے اکھل بھارتیہ ساہتیہ منچ، سائنس کے میدان میں کام کرنے کے لیے اگیان بھارتی، سابق فوجیوں میں کام کرنے کے لیے پوردسینک سیوا، خدمت خلق کے لیے سیوا بھارتی، خواتین میں کام کرنے کے لیے راشٹریہ سیویکا سمیتی، تعلیمی اداروں کے قیام کی لیے ودیا بھارتی،

آدیواسیوں میں کام کرنے کی لیے ون واسی کلیان آشرم، مسلمانوں میں کام کرنے کی لیے مسلم راشٹریہ منچ، تجارت پیشہ افراد میں کام کرنے کی لیے بھارتیہ لگھو ادھیوگ، مفکرین کے لیے بھارتیہ وچار کیندر اور اسکے علاوہ سماج کے ہر طبقہ میں کام کرنے کے لیے سنگھ نے نئ نئ تنظیمیں بنائی۔ سنگھ کا ذیلی تنظیموں کا کلچر بہت وسیع ہے۔ سنگھ ذیلی تنظیمیں بنانے اور انھیں آزادی دینے کا قائل ہے۔ بارہا یہ ہوا کہ ذیلی تنظیمیں بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے اور سنگھ کے بنیادی ایجنڈہ سے بھی ہٹ جاتی اس سب کے باوجود سنگھ ذیلی تنظیموں کو آزادی دینے کا قائل ہے وہ یہ خطرہ لینے تیار ہے کہ اس کے لوگ سنگھ چھوڑ کر جا سکتے لیکن اسے یہ گوارہ نہیں کہ تنظیمیں بنائی جائیں اور انہیں آزادی نہ دی جائے۔ ذیلی تنظیمیں بنانے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ سماج کے ہر طبقہ میں تحریک کی فکر پھیلتی ہے ہر سطح کی قیادت پیدا ہوتی۔ اس مزاج کی وجہ سے سنگھ میں زبردست قیادت پیدا ہوئی۔ آج سنگھ کے پاس ہر میدان اور سماج کے ہر طبقہ میں قیادت موجود ہے۔ ذہین اور با صلاحیت لوگ ڈسپلن کو تو ضرور پسند کرتے ہیں لیکن قید اور غلامی سے انھیں نفرت ہوتی ہے۔ کیونکہ بے جا نظم میں صلاحیتیں اکثر دم توڑ دیتی ہیں۔

بندگی میں گھٹ کہ رہ جاتی ہے ایک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی

سنگھ کا یہ نظم اور مزاج قابل تعریف ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔ قیادت ابھرنے اور اسکو اپنے جوہر دکھانے کی لیے آزادی درکار ہوتی ہے۔ نظم سے بندھ کر کچھ اچھے کارکن تو پیدا کیے جا سکتے ہیں لیکن عوامی انقلاب کی لیے جس طرح کے افراد درکار ہیں، وہ کھلی فضا میں ہی پروان چڑھتے ہیں۔ جسطرح دریا کی روانی اسکو زندگی عطا کرتی ہے جمع ہوا پانی بدبو پیدا کرتا ہے اسی طرح آزادی فرد کی زندگی میں ارتقاء لاتی ہے۔ اور قید میں صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں۔

مجھ سے تیرے حصار میں ٹھہرا نہ جائے گا
میدان میرے واسطے میدان زندگی

(جاری)

بابری مسجد تنازعہ : واقعاتی ترتیب

1528 مغل بادشاہ بابر کے ذریعے مسجد کی تعمیر۔

1853 مسجد کی زمین کے تنازعے کو لے کر تشدد کا پہلا واقعہ۔

1855 مسجد کے اطراف سیتا رسوئی اور رام چبوترہ کی تعمیر۔

1859 برطانوی حکومت نے مسجد اور دیگر جگھوں کے درمیان باڑھ تعمیر کی یہ تقسیم تقریباً ۹۰ سال قائم رہی۔

1949 مسجد میں رام کی مورتیاں رکھی گئیں اور اس کو بنیاد بنا کر ہندو و مسلم دونوں جانب سے مقدمہ دائر کیا گیا اور عدالتی فیصلے نے تمام جگہ پر پابندی لگائی۔

1950 پوجا کی اجازت کے لئے ہندو مہنت کی عرضی، اجازت نہ ملنے پر گیٹ کے باہر سے پوجا شروی کی گئی۔

1961 اتر پردیش سنی مرکزی وقف بورڈ کی جانب سے جگہ کی ملکیت کا مقدمہ دائر۔

1984 لال کرشن اڈوانی کی سرپرستی میں وشو ہندو پریشد نے رام مندر کی تعمیر کی جدوجہد کے لئے کمیٹی بنائی۔

1986 ایک ڈسٹرکٹ جج نے ہندوؤں کو عبادت کے لئے دروازے کھولنے کا حکم دیا اور دروازے کھول دئے گئے۔

1989 وشو ہندو پریشد نے مندر کے لئیا ینٹوں کی پوجا اور شیلانیاس شروع کیا، اور مسجد کو منتقل کرنے کے لئے مقدمہ دائر کیا۔

1990 اڈوانی کی رتھ یاترا اور کارسیوکوں کے ذریعے مسجد کی عمارت کو جزوی طور پر نقصان پہنچایا گیا۔

1991 بھارتیہ جنتا پارٹی کی اتر پردیش کے اسمبلی انتخابات میں کامیابی۔

1992 ۶ دسمبر کو وی ایچ پی، سنگھ اور بی جے پی نے ایودھیا میں دیڑھ لاکھ کے قریب کارسیوکوں کو جمع کیا اور مسجد کی عمارت کو شہید کیا۔
ملک بھر میں فسادات اور مسلمانوں کو نقصان پہونچایا گیا۔ لبرہن کمیشن کا قیام۔

1998 مرکز میں بی جے پی کی حکومت (دیگر اتحادی پارٹیوں کے ساتھ) اٹل بہاری واجپئی کی وزارت عظمیٰ میں۔

2001 وشو ہندو پریشد نے رام مندر کی تعمیر کے عہد کی تھریک چلائی۔

2002 جنوری۔ معاملے میں ہندو مسلم مفاہمت کے لئے ایودھیا سیل کا قیام۔
فروری۔ کارسیوکوں کی واپسی پر گودھرا کی آتش زنی کا واقعہ۔
مارچ۔ گجرات میں مسلم مخالف فسادات۔
اپریل۔ زمین کی ملکیت کے سلسلے میں ہائی کورٹ کی سنوائی کی شروعات۔

2003 جنوری۔ ہائی کورٹ کا محکمہ آثار قدیمہ کو کھدائی اور مندر کے باقیات کی تحقیق کا حکم دیا۔
اگست۔ محکمہ کی رام مندر کے باقیات کے حق میں رپورٹ کی پیشکش
ستمبر۔ مسجد کی شہادت کے سلسلے میں نفرت انگیز بیانات کے لئے ۷ لیڈروں پر مقدمہ (اڈوانی شامل نہیں)

2004 بابری مسجد فیصلے پر سپریم کورٹ کا ریویو پٹیشن داخل کرنے سے انکار

2009 لبرہن کمیشن کی رپورٹ تیار۔ بی جے پی کے متعدد لیڈران کو ذمہ دار ٹھہرایا

2010 ستمبر۔ الہٰ آباد ہائی کورٹ کا زمین کی تقسیم کا متنازعہ فیصلہ، وقف بورڈ کو مسجد کی اصل عمارت کے بجائے دوسری جگہ دینے کا حکم۔
دسمبر۔ اکھل بھارتی ہندو مہا سبھا اور وقف بورڈ کا ہائی کورٹ فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج۔

2014 مرکز میں نریندر مودی کی قیادت میں بی جے پی کی حکومت۔

2015 ایودھیا میں ہندو مہنت کا رام مندر کی تعمیر کے لئے ملک بھر سے پتھر جمع کرنے کا اعلان۔

2016 فروری۔ بی جے پی لیڈر سبرامنیم سوامی کی رام مندر کی تعمیر کے حوالے سے اس کیس میں درخواست مداخلت سپریم کورٹ کو منظوری

2017 مارچ۔ بابری مسجد کی زمین کی ملکیت کے سلسلے میں سپریم کورٹ کا تمام فریقین کو سمجھداری کے ساتھ معاملے کو حل کرنے کی ہدایت۔
اپریل۔ سی بی آئی کی درخواست پر لال کرشن اڈوانی اور دیگر بی جے پی اور سنگھ لیڈران پر مسجد کی شہادت کے سلسے میں سازش کا مقدمہ چلانے کا فیصلہ۔

گائے کی سیاست
بیل کی عدالت

ڈاکٹر سلیم خان

گئو دہشت گردی کی ابتداء دادری سے ہوئی۔ وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنے اقتدار کے دوسرے سال میں محمد اخلاق کے بہیمانہ قتل پر بہار میں جا کر ایک فلسفیانہ بیان دیا کہ ہندوؤں کو طے کرنا ہوگا کہ وہ مسلمانوں سے لڑیں یا غربت سے۔ مسلمانوں کو طے کرنا ہوگا کہ وہ ہندوؤں سے لڑیں یا مسلمانوں سے۔ دونوں کو غریبی سے لڑنا ہوگا۔ ملک کو صرف فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بھائی چارہ ہی متحد رکھ سکتا ہے اور آگے لے جا سکتا ہے۔ لوگوں کو سیاستدانوں کے متنازع بیانات کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ سیاسی فائدہ اٹھانے کے لیے دیئے جاتے ہیں'۔ یہ بیان چونکہ بہار کی انتخابی مہم کے دوران دیا گیا تھا اس لیے یقیناً ایک سیاسی بیان تھا۔ عوام نے وزیر اعظم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسے مسترد کر دیا اور بی جے پی کو صوبائی انتخاب میں شکست فاش سے دوچار ہوگئی لیکن یہ منافقانہ بیان گائے کے نام ہونے والی دہشت گردی کی روک تھام نہ کرسکا بلکہ اس آگ نے مسلمانوں کے علاوہ دلتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ایک سال بعد دہلی میں وزیر اعظم نے گئو بھکت اور گئو سیوک کا فرق بتانے کے بعد غم وغصے کا اظہار کرتے ہوئے گائے کے نام دوکان چلانے والے مجرمین کے خلاف اقدام کرنے کی خواہش ظاہر کی اور دو چار دن بعد آندھرا پردیش میں یہ بھی کہہ دیا کہ دلت کو مارنے کے بجائے مجھے ماریں۔ یہ حربہ بھی ناکام رہا۔ ان کی اپنی پارٹی نے گئو راکشسوں کے خلاف اقدام کرنے کے بجائے تحفظ فراہم کر کے ان کو حوصلہ فضائی کی اور یہ درندگی اس قدر بڑھی کہ لوگوں کو احتجاج کے لیے سڑکوں پر اترنا پڑا۔ اس کے بعد وزیر اعظم نے سابرمتی آشرم میں مگر مچھ کے آنسو بہائے نیز یہ اعلان کر دیا کہ گئو ہتیا کے مقابلے مانو ہتیا ناقابلِ قبول ہے اور یہ گاندھی اور ونوبا بھاوے کا راستہ نہیں ہے لیکن اس طرح کے ڈھکوسلوں کا ہندوتوا وادی دہشت گردوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کو ناراض کر کے سنگھ پریوار انتخاب نہیں جیت سکتا۔ وہ دراصل مودی سرکار کو بلیک کر رہے ہیں۔

مودی جی کے پاکھنڈی بیان کا اثر زائل کرنے کیلئے ان کے دست راست امیت شاہ نے گوا میں کہا کہ بھیڑ کے ذریعہ ہلاکتوں کے واقعات یو پی اے سرکار کے دوران یعنی سنہ ۲۰۱۱ سے ۲۰۱۳ کے دوران زیادہ ہوئے۔ شاہ صاحب یہ بھی بول گئے کہ ہمارے تین سال کے دوران جتنے واقعات ہوئے اس سے زیادہ یو پی اے کے ایک ایک سال میں ہوئے۔ اب انسان جھوٹ بولنے پر آئے تو جو مرضی ہے بولے لیکن اعداد و شمار کو کیونکر جھٹلایا جاسکتا ہے۔ انڈیا اسپنڈ نامی ایک تنظیم کے مطابق مودی سرکار کے اقتدار میں آنے کے بعد گائے سے متعلق دہشت گردی میں ۹۷ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۲۰۱۰ سے لے کر ۲۵ جون ۲۰۱۷ تک گائے کے نام پر ہونے والے تشدد میں ۵۱ فیصد مواقع پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ان ۷ سالوں میں ۲۸ لوگوں کو قتل کیا گیا ان میں سے ۲۴ مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود امیت شاہ کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ پرستی کا نہیں بلکہ نظم و نسق کا مسئلہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ اعداد و شمار امیت شاہ کے منہ پر طمانچہ سے کم نہیں ہیں۔

مودی جی نے سابرمتی آشرم میں پوچھا تھا کہ اس تشدد کو کون ہوا دے رہا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ان صوبوں پر نظر ڈالیں جہاں یہ واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ ان ۶۳ معاملات میں سے ۳۲ یعنی ۵۰ فیصد بی جے پی کے زیر اقتدار ریاستوں میں ہوئے۔ کانگریس کی ریاستوں میں ۸ اور سماجوادی، عآپ اور پی ڈی پی کی حکومتوں میں ۲۳ واقعات سامنے آئے لیکن ظاہر ہے اتر پردیش میں بی جے پی والوں نے ہی اسمبلی انتخاب جیتنے کے لیے اس تشدد کو ہوا دی اور کرناٹک میں بھی وہی لوگ آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ ان میں سے ۵۲ فیصد واقعات کی بنیاد محض افواہ تھی۔ امیت شاہ کہتے ہیں کہ ہر معاملے میں ملزمین پر مقدمہ قائم کیا گیا اور ان کی گرفتاری عمل میں آئی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سنگھی دہشت گردوں کو کوئی سزا بھی ملے گی یا یوں ہی پچکار کے چھوڑ دیا جائیگا؟

مودی جی نے دہلی میں گئو رکشک اور گئو سیوک کا فرق بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ۸۰ فیصد گئو رکشک جرائم پیشہ ہیں۔ مودی جی کی مذمت کا اثر یہ ہوا کہ ۲۰۱۷ کے پہلے ۶ مہینوں میں گائے سے متعلق ۲۰ واقعات ہوئے جو پچھلے سال کے مقابلے ۷۵ فیصد زیادہ ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گئو بھکت مودی جی کی پند و نصیحت کو کس قدر سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ اس تشدد میں اضافے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس پر گندی سیاست ہو رہی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انتظامیہ کا رویہ نہایت مایوس کن ہے۔ وہ مجرمین کی پشت پناہی کر رہا ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ پولس نے ۵ فیصد معاملات میں حملہ آوروں کے خلاف سرے سے شکایت ہی درج نہیں کی اور اس سے بھی زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ ۲۱ فیصد مواقع پر الٹا مظلوم کو ملزم قرار دے دیا گیا۔ اس صورتحال میں اگر تشدد میں اضافہ نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

گائے کے نام پر ہونے والی غنڈہ گردی سے مسلمان اور دلتوں کے علاوہ سرکاری افسران بھی محفوظ نہیں ہیں۔ تمل ناڈو حکومت کو نہ جانے کس احمق نے یہ بتا دیا کہ شمالی ہند کی گائیں اعلیٰ نسل کی ہوتی ہیں۔ راشٹریہ گوکل مشن نامی اسکیم کے تحت اپنے صوبے میں بہتر

گائے کی افزائش کیلئے تمل ناڈو مویشی پروری محکمہ نے جیسلمیر سے ۵۰ گائیں اور بچھڑے خریدے۔ سرکاری حکام این او سی اور دیگر ضروری دستاویزات کے ساتھ ان مویشیوں کو پانچ لاریوں میں لے جارہے تھے۔ اس دوران گئو رکشسوں کو اس کی سن گن مل گئی اور وہ لاٹھی ڈنڈہ لے کر پہنچ گئے۔ اگر پڑھے لکھے ہوتے تو سرکاری کاغذات کو پڑھتے۔ اقتدار اور شراب کے نشے میں دُھت ان درندوں نے سرکاری افسران پر حملہ کردیا اور گئو ماتا سمیت ایک ٹرک کو آگ لگانے کی کوشش کی، لیکن اس دوران پولیس موقعۂ واردات پر پہنچ گئی اور کسی طرح حکام کی جان بچائی گئی۔ اس وقت تک گئو رکشسوں سرکاری اہلکاروں پر ہاتھ صاف کر چکے تھے۔

راجستھان کی جری پولیس نے اس بار سرکاری افسران پر مقدمہ درج کرنے کے بجائے چار حملہ آوروں کو گرفتار کرلیا۔ حیرت انگیز طور پر پہلی مرتبہ معاملے کو سنجیدگی سے نہ لینے اور جائے حادثہ پر تاخیر سے پہنچنے کے سبب ایک پولیس انسپکٹر سمیت سات پولیس اہلکاروں کے خلاف بھی کارروائی کی گئی۔ راجستھان کی پولس اگر یہی مستعدی پہلو خان پر ہونے والے حملے کے وقت دکھاتی تو ہریانہ کے اندر حافظ جنید پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کوئی نہ کرتا اور نہ صرف ایک ناحق قتل کی واردات ٹل جاتی بلکہ سرکاری افسران بھی گئو رکشکوں کے تشدد سے بچ جاتے لیکن اس وقت تو ایوان پارلیمان میں عباس نقوی اس واقعہ کے رونما ہونے کی تردید کررہے تھے۔ راجستھان کے وزیر داخلہ گلاب چند کٹاریہ پہلو خان اور ان کے ساتھیوں کو مویشیوں کا اسمگلر قرار دے قاتلوں کی پشت پناہی کررہے تھے۔

جمہوریت میں مقننہ اور انتظامیہ کے علاوہ عدلیہ اور ذرائع ابلاغ اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن ایک ایسے دور میں جبکہ سیاستدانوں نے ذرائع ابلاغ کو دولت کے بدلے خرید کر آہنی پنجے جکڑ رکھا ہے (الا ماشاءاللہ) ساری امیدیں عدلیہ سے وابستہ ہوجاتی ہیں۔ افسوس کہ عدلیہ کے ابن الوقت قاضی بھی حکومت کی خوشنودی حاصل کرکے اپنا مستقبل سنوارنے کی خاطر عجیب وغریب احمقانہ راگ الاپ رہے ہیں۔ راجستھان ہائی کورٹ کے جسٹس مہیش چند شرما نے سبکدوشی سے چند گھنٹے قبل ایک ایسا فیصلہ سنایا جس سے واضح ہوگیا کہ اب وہ سیاست کے میدان میں کودنے ہی والے ہیں۔ شرما جی کا نادر انکشاف یہ ہے کہ مور برہما چاری پرندہ ہے اور مورنی اس کے آنسو سے حاملہ ہوجاتی ہے۔ شرما جی نے اس بیان سے ثابت کردیا کہ سیاستداں حماقت کی دنیا میں ان کے آگے پانی بھرتے ہیں۔

جسٹس شرما نے ایک عام سے مقدمہ میں فیصلہ لکھنے کے بجائے ۱۴۰ صفحات کی کتاب لکھ ماری جس میں چاروں وید کے حوالوں کے علاوہ مہا بھارت اور رامائن کی مدد سے گائے کی اہمیت ثابت کی گئی۔ سوال یہ ہے کہ رامائن کا اس دستور ہند سے کیا تعلق ہے جس کی پابندی کا شرما جی نے گیتا پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا تھا۔ شرما جی فرماتے ہیں گائے کے دودھ کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ ہم اس پر جیتے ہیں اور وہ مرنے کے بعد بھی مفید ہے۔ مرنے کے بعد کیسے مفید ہے یہ بتانے کی زحمت جج صاحب نے نہیں کی لیکن یہ ضرور بتایا کہ ہمیں ادویات کے لیے اس کے پیشاب کی ضرورت ہے۔ اس کی ہڈیاں تانترک کاموں کے لیے فائدے مند ہیں لیکن تانترک کرم کانڈ کا کیا فائدہ ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ پاکستان کے خلاف فائنل میچ میں کوئی ہون کارگر ثابت نہیں ہوا۔ آگے چل کر شرما جی نے قومی دستور کو طاق میں رکھ کر اپنی روح سے فیصلہ سناتے ہوئے گائے کو قومی جانور بنانے کا اور اس کو ذبح کرنے والے کے لیے تاعمر قید کی سزا تجویز کردی لیکن گائے کے نام پر انسانوں کو قتل کرنے والوں پر زبان کھولنے کی زحمت نہیں کی۔

یہ عام رجحان ہے کہ شمالی ہند میں احمق جنونیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے مگر جنوب ہند اس سے محفوظ ہے مگر تلنگانہ ہائی کورٹ کے جسٹس سیوا شنکر راو نے شرما جی کے کان کاٹ دیئے۔ انہوں نے فرمایا گائے ماں کا بدل ہے جو (نعوذ باللہ) خدا کا بدل ہے اس لیے گائے ذبح کرنے والے کے خلاف غیر ضمانتی وارنٹ جاری ہونا چاہیے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ سپریم کورٹ کے مطابق صحتمند گائے کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا مسلمانوں کا بنیادی حق نہیں اس لیے کہ یہ لازمی نہیں ہے۔ انہوں نے ۷ جولائی تک تلنگانہ حکومت کو قانون میں ترمیم کا حکم دے دیا جس کا نہیں حق نہیں ہے۔ جج صاحب نے یہ احمقانہ دعویٰ بھی کیا کہ ملک کی اکثریت گائے کو دیوتا سمجھتی ہے۔ جج صاحب نے فرمایا جب ماں کا دودھ سوکھ جاتا ہے گائے بے لوث دودھ دے کر ہماری پرورش کرتی ہے اس لیے گائے ماں کے ہمسر ہے اور جس نے گائے کا دودھ پیا ہو وہ اسے کیونکر ذبح کرسکتا ہے؟

یہ سارا دعویٰ کھوکھلا ہے۔ انسان گائے کا دودھ صرف ماں کا دودھ سوکھنے پر نہیں بلکہ زندگی بھر پیتا ہے۔ گائے از خود دودھ پیش نہیں کرتی بلکہ زبردستی اس کے بچھڑے کا حق مار کر گوالہ گائے کا دودھ بازار میں لاکر فروخت کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر گائے ماں کے ہم پلہ ّ تو کیا کوئی اپنی ماں کا دودھ بیچ سکتا ہے؟ سیو شنکر نے کہا مہا بھارت کے مطابق سورابھی نام کی گائے آسمان سے اتری تھی اور ساری گائیں اس کی سنتان ہونے کے سبب مقدس ہیں۔ کسی کو خواب میں بھی گائے کا گوشت نہیں کھانا چاہیے اس لیے کہ گائے ساری مخلوقات کی ماں ہے بلکہ ان ۳۳ کروڑ دیوتاوں کی بھی ماتا ہے جو کائنات کا انتظام چلاتے ہیں۔ گائے کی تعریف میں آسمان اور زمین کے قلابے ملانے بعد جج صاحب نے فرمایا ہر کسی کو صبح اٹھتے ہی گائے کے آگے سجدہ ریز ہوجانا چاہیے اور رات میں سونے سے قبل اس کو یاد کرنا چاہیے اس لیے کہ اس سے افضل کچھ بھی نہیں ہے۔ اس فیصلے کو پڑھتے ہوئے ایسا نہیں لگتا کہ یہ کسی صاحبِ عقل کا فرمان ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے شخص کو عدالت میں نہیں بلکہ پاگل خانے میں ہونا چاہیے۔

ان احمقانہ فیصلوں سے قطع نظر سپریم کورٹ نے مرکزی اور ۶ ریاستی حکومتوں سے پوچھا ہے کہ کیوں نہ مختلف قوموں اور ذاتوں کے درمیان نفرت پھیلانے والے ان گئو رکشک دلوں پر پابندی لگائی جائے؟ اور تین ہفتوں کے اندر اپنا جواب داخل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سوال راجستھان میں پہلو خان کے بہیمانہ قتل کے بعد داخل کردہ ایک مفاد عامہ کے مقدمہ میں کیا گیا اور اتفاق سے ان ۶ میں ۵ صوبے بی جے پی کے زیر اقتدار ہیں۔ گائے کی دہشت گردی نے ہندوتو دہشت گردی کو بے نقاب کرکے اس کا اصلی چہرہ دکھا دیا ہے۔ اب یہ حال ہے کہ خود سنگھ پریوار کے ہمدرد صحافی یہ لکھنے لگے ہیں کہ بی جے پی نے اپنی حرکتوں سے یہ ثابت کردیا ہے آزادی کے وقت جناح کے پیش کردہ اندیشے درست تھے اور گاندھی جی یقین دہانی غلط تھی۔ وزیر اعظم ساری دنیا میں گھوم گھوم کر دہشت گردی کے خاتمہ کا نعرہ لگاتے ہیں یہاں تک دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد اسرائیلی وزیر اعظم کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا مگر ان کے اپنے چراغ تلے اندھیرا ہے۔ ایک ایسا شخص جو گائے نام پر پھیلنے والی دہشت گردی کا بانی ہو اور اس پر قابو پانے میں ناکام ہوگیا ہو وہ بھلا دنیا بھر سے دہشت گردی کا خاتمہ کیسے کرسکتا ہے؟ گائے کو بے ضرر اور بیل کو منہ زور مویشی سمجھا جاتا ہے لیکن ملک کی موجودہ صورتحال اس کے برعکس ان اشعار کی عکاس ہے کہ۔

ایک ہی خوف مجھے شام وسحر لگتا ہے — جان آفت میں ہے خطرے میں شہر لگتا ہے
شیر آجائے مقابل تو کوئی بات نہیں — گائے پیچھے سے گذر جائے تو ڈر لگتا ہے

اسلام
ایک مختصر تعارف

زیر نظر تحریر جناب غلام صمدانی صاحب (ناندیڑ، مہاراشٹرا) سے مذہب اسلام کے متعلق لئے گئے ایک بین المذاہب مکالماتی پروگرام کے انٹرویو کی تلخیص ہے، جس کے میزبان بالاجی چرڈے اور وشواد ھار دیشمکھ صاحب تھے۔ مراٹھی زبان سے قارئین رفیق منزل کے لئے ترجمہ عبدالرحمٰن، ناندیڑ نے کیا۔

سوال: ہمارا سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ مذہب اسلام کی ابتداء کب ہوئی؟ اور اسلام کے بانی کون ہیں؟

جواب: دوستوں اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی بناء پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے ڈالی ہیں۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ قرآن کے مطابق اسلام کی ابتداء حضرت آدمؑ کے زمانے سے ہوئی ہے۔ جو کہ ہمارے عقیدے کے مطابق اس کرہ ارض پر جو پہلا انسان آباد ہوا۔ خدا نے اس کائنات اور دُنیا کی تخلیق کے بعد انسان کی ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں پیدا کیں۔ اس کے بعد آدمؑ کو بھی پیدا کیا۔ ساتھ ہی ان کی بیوی حواؑ کو بھی پیدا کیا۔ ان دونوں سے ہی انسانیت کی شروعات ہوئی۔ اللہ نے اسی کے ساتھ انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ (یعنی کہ دین) بتایا۔ آدمؑ کو اپنی ہدایت کے ساتھ دُنیا میں بھیجا۔ اس طرح دُنیا کا پہلا انسان، پہلا رسول بھی تھا۔ اگر اللہ نے آدمؑ اور حواؑ کو ہدایت نہ دی ہوتی تو اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہتے زندگی گزار سکتے تھے۔ اس طرح حضرت آدمؑ اللہ کے بھیجے ہوئے پہلے رسول تھے اور اسی طرح حضرت محمد ﷺ اس سلسلے کے آخری رسول ہیں۔ قرآن میں ۲۵ سے ۲۴ نبیوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ہم نے ان تمام نبیوں کو وہی تعلیم دی تھی جو ہم نے پہلے نبی حضرت آدمؑ کو دی تھی۔ اور یہی تعلیم ہم نے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو دے کر دُنیا میں بھیجا ہے۔ کیونکہ اسکے بعد ہم نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں۔ آخری نبی عرب ملک میں تشریف لائے اور انؐ پر اللہ نے نبوت کا سلسلہ ختم کیا۔

سوال: لیکن آج جو اسلام ہم جانتے ہیں کیا یہ وہی اسلام ہے جو حضرت آدمؑ کے زمانے میں تھا؟ کیونکہ ہماری معلومات کے مطابق اسلام کی ابتداء ساتویں صدی عیسوی میں حضرت محمد ﷺ کے ذریعے عربستا میں ہوئی۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ ایسی کوئی سماجی صورتحال تھی جس کی بناء پر اسلام کے آخری نبی ﷺ عربستان ہی میں مبعوث ہوئے اور محض ۲۳ برسوں میں سارا عرب اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا؟

جواب: عربستان میں حضرت محمد ﷺ سے پہلے ماضی قریب میں کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ اس زمانے میں عربوں کی سماجی، اخلاقی و معاشی صورتحال انتہائی دگرگوں تھی۔ میں نے چند مثالوں کے ذریعے آپ کو سمجھانے کی کوشش کرونگا۔ جیسا کہ صفائی زندگی کا ایک بنیادی پہلو ہے اس کو لے لیجیے۔ عرب لوگ اپنے دانتوں کو صاف کرنا تک نہیں جانتے تھے۔ ان کے دانت اونٹوں کی دانتوں کی طرح پیلے پڑ جاتے تھے۔ عرب لوگ بیٹھ کر استنجا بھی نہیں کرتے تھے بلکہ کھڑے ہوکر کرتے۔ خصوصاً ان کے مرد کہ جن کے بدن پر گندگی اور پیشاب کے چھینٹے گرا کرتے۔ کھانے پینے کا معاملہ یہ تھا کہ وہ شکار کر کر کھاتے تھے اور اگر کوئی شکار نہ ملتا تو اس صورت میں سانپ یا دیگر رینگنے والے جانوروں کو کھا جاتے تھے۔ عربوں کے وحشی پن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور اُن کا پیشہ لوٹ مار اور رہزنی تھا۔ قافلوں اور بستیوں کو لوٹ کر اپنی ضروریاتی زندگی کو پورا کرنا ان کا پیشہ تھا۔ تو اس طرح اس وقت کے عرب کا وحشی اور غیر مہذب سماج تھا۔ ایک مرد دس دس عورتوں سے نکاح کرتا

تھااور اگر کسی بیوی سے ناراض ہو کر اسے طلاق دے دیتا اور نہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا اور نہ اسے اپنی غلامی سے آزاد کرتا نہ بیوی کا حق دیتا بلکہ اسے مسلسل اذیت دیے رہتا۔

سوال (بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے) صمدانی صاحب اس بارے میں ہم تفصیلی معلومات ہم بعد میں جانیں گے اس سے پہلے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر لوگ اسلام کے بارے میں اگر معلومات حاصل کرنا چاہیں اور اسے سمجھنا چاہیں تو کن کن کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا؟ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ لوگ اسلام کے بارے میں جاننے کے لیے کتنے بے قرار ہیں۔سبھی موصولہ سوالات اور یہاں موجود کثیر مجموعہ کو دیکھ کر آپ اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جواب: دوستوں! آج ۲۱رویں صدی میں یہ کام انتہائی آسان ہو گیا ہے۔اسلام کو جاننے اور سمجھنے کا پہلا بنیادی
ذریعہ قرآن مجید ہے۔قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے۔جو اللہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔آج بھارت کی ۱۹ زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اسلام کو سمجھنے کا دوسرا اہم ترین ذریعہ حدیث ہے۔حضرت محمد ﷺ نے قرآن کی جو قولی و عملی تشریح کی یا اسلام کو اپنے قول و عمل سے پیش کیا اُسے حدیث کہتے ہیں۔ان حدیثوں کو کتابوں کی شکل میں جمع کیا گیا ہے۔آپ کسی بھی مستند کتاب حدیث کو مطالعہ کر کے اسلام کو سمجھ سکتے ہیں۔

سوال: حدیث کو سنت بھی کہتے ہیں۔ہمیں بتائیے کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے؟

جواب: سنت بھی حدیث ہی کا ایک حصہ ہے۔سنت کے معنی ہے عمل یا طریقہ حضرت محمد ﷺ نے جو کام کیا یا جو عملی نمونہ پیش کیا، اُسے سنت کہا جاتا ہے۔ اسطرح سنت بھی حدیث ہی کا ایک حصہ ہے۔ حدیث بھی حضرت محمد ﷺ کا قول، ان کا عمل یا کسی مسلمان کے عمل پر محمد ﷺ کی خاموشی شامل ہیں۔اسطرح فی الواقع حدیث اور سنت ایک ہی چیز ہوتی ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک عمارت ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ہمیں بتائیےکہ وہ پانچ ستون کون سے ہیں؟

جواب: اسلام کی عمارت کا پہلا ستون ایمان یا عقیدہ کہلاتا ہے۔یہ یقین رکھنا کہ ساری کائنات کا خالق و مالک ایک ہی خدا ہے۔اور اس بات کا زبان سے بھی اقرار کرنا ایمان کہلاتا ہے۔اس بات کو ہم ذرا تفصیلی مثالوں سے سمجھتے ہیں۔عام طور پر انسانوں نے اپنے تصور اور تخیل پر خدا کی ذات کا یقین کیا ہے۔مثلاً کسی نے سمجھا کہ خدا کی صورت ہم انسانوں جیسی ہی ہوگی مگر اس کے کان بڑے بڑے ہوں گے۔تو اس نے بڑے کانوں والے انسان کی تصویر یا بت بنا لیا اور اسے خدا سمجھ کر پوجنے لگا۔کسی نے سمجھا کہ خدا کی ناک بہت بڑی ہوگی۔کسی نے سمجھا کہ خدا کو بہت کام کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس کے کئی ہاتھ ہوں گے۔کسی نے سوچا کہ خدا کے کئی سر ہوں گے اور وہ کئی دماغوں سے سوچتا ہوگا وغیرہ۔خدا کی ذات کو اس طرح اپنے تصور اور سوچ پر محمول کرنے کو اسلام غلط قرار دیتا ہے۔اسلام کہتا ہے کہ ساری کائنات اور اس کی ہر شئے کا خالق و مالک اللہ ہے۔اس بات کا دل سے یقین کرنا نیز اس بات کا زبان سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔کسی بھی سماجی یا خارجی دباؤ میں نہ آکر اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کرنا ایمان کہلاتا ہے۔اس عقیدہ کو اسلام میں توحید کہتے ہیں۔ ایمان و عقیدہ کا دوسرا جز رسالت ہے۔ یہ یقین رکھنا کہ اللہ نے انسانوں کو اپنی ہدایت سے نوازنے کے لیے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کئی رسول مبعوث کیے جو سب کے سب ایک ہی دین یعنی اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ نیز یہ بھی یقین رکھنا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔حضرت محمد ﷺ کے بعد پچھلے سارے رسولوں کی تعلیمات منسوخ ہو چکی ہیں۔حضرت محمدؐ بھی وہی اسلام لے کر آئے تھے جو پچھلے انبیاء لے کے آئے تھے۔مثال کے طور پر مسلمان رمضان میں روزہ رکھتے ہیں۔قرآن مسلمانوں سے کہتا ہے کہ ہم نے تم پر روزے فرض کیے جس طرح تم سے پہلے کی اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بھارت میں بھی ہندو لوگ کسی نہ کسی شکل میں روزہ رکھتے ہیں۔

اس طرح ایمان اسلام اسلام کی عمارت کا پہلا ستون ہے۔اسلام کا دوسرا ستون نماز ہے۔ اسلام کی تعلیمات صرف ایک فرد کے روحانی و ذہنی سکون کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلام سارے معاشرہ کو جوڑ کر ان کی بھلائی چاہتا ہے۔ایک آٹو ڈرائیور میرے محلہ کی مسجد کا امام ہے۔مجھے اس کے پیچھے نماز پڑھنا پڑتا ہے۔اسطرح نماز کے ذریعے اسلام تمام مسلمانوں کو مسلم معاشرہ بھی مساوات قائم کرنا چاہتا ہے۔

اسلام کا تیسرا استون رمضان کے مہینہ بھر روزے رکھتا ہے۔کھانے پینے کی ہر شئے میسر ہونے کے باوجود روزہ کی حالت میں کھانے پینے سے انسان پرہیز کرتا ہے۔اس سے انسان کے دل میں غریبوں اور فاقہ کشوں کے تئیں ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اگر میرا پڑوسی بہت غریب ہے
اور اس کے پاس کھانے پینے کو نہیں ہے تو مجھے اس کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔روزہ کا دوسرا مقصد خدا کی ذات پر گہرا یقین ہے۔ایک روزہ دار تنہائی میں بند کمرے میں یا اندھیرے میں بھی کچھ کھاتا پیتا نہیں ہیں کیونکہ اس کو پختہ یقین ہے کہ خدا مجھے ہر جگہ اور ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔روزہ کا تیسرا مقصد انسان بھی صبر و تحمل اور نظم و ڈسپلن پیدا کرتا ہے۔اگر میں روزہ سے ہوں اور کوئی شخص مجھ سے جھگڑا کرنے پر آمادہ ہے یا میرے ساتھ گالی گلوج کرتا ہے تو میں اس کا جواب نہیں دیتا۔اس طرح ایک اچھے انسان اور اچھے شہری کی تشکیل روزہ کا مقصد ہے۔

اسلام کی عمارت کا تیسرا استون زکوٰۃ ہے۔نماز کی طرح زکوٰۃ بھی سماج مرکوز عبادت ہے۔زکوٰۃ کا مطلب کیا ہے؟ میرے پاس میرے ضروریات کے ماسواء جو اضافی رقم ایک حد سے متجاوز ہے تو مجھے اس رقم میں سے ڈھائی فی صد حصہ مجھے آٹھ قسم کے ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ان میں بیوہ، مطلقہ مجبور خواتین، ضرورت مند افراد، مقروض لوگ وغیرہ شامل ہیں۔حتیٰ کہ کوئی کروڑ پتی آدمی بھی وقتی طور پر مثلاً سفر کے دوران مجبوریاں پریشان ہو جائے تو اُسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔گویا زکوٰۃ کی رقم انسانوں پر ہی خرچ کی جا سکتی ہے۔زکوٰۃ کی رقم سے مسجد ہرگز تعمیر نہیں کی جا سکتی۔زکوٰۃ اسلام میں ایک عبادت ہے۔محض دان دھرم کا عمل نہیں ہے۔

اسلام کا پانچواں ستون حج ہے۔حج تمام مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔بلکہ صرف ان ہی مسلمانوں پر فرض ہے سفر حج کا خرچ برداشت کرنے کے اہل ہیں۔حج کا مقصد عالمی سطح پر مسلمانوں کو ایک دسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے حالات اور مسائل جاننا ہے۔حج پانچ دنوں کا ہوتا ہے۔حج کی عبادت میں تین اہم رُکن ہین۔ ہر حاجی کو احرام

باندھنا پڑتا ہے۔ یہ بغیر سلا ہوا لباس ہوتا ہے جو محض چادروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس سے تمام حاجی یکساں اور برابر نظر آتے ہیں۔ سب فقیر کے لباس میں ہوتے ہیں۔ کوئی اعلیٰ و ادنیٰ نہیں ہوتا۔ حج کا دوسرا اہم رُکن کعبہ کا طواف یعنی سات چکر لگانا ہے۔ طواف کا مقصد خدا کا قرب حاصل کرنا ہے۔ حج کا تیسرا رُکن وقوف عرفات ہے۔ عرفات دراصل ایک بہت بڑا میدان ہے۔ جو مکہ سے قریب ہے۔ اس میدان میں امیر حج یا امام یا مسلمانوں کا لیڈر مسلمانوں کے مخاطب کر کے ان کے مسائل اور ان کے حل کی تدابیر بیان کرتا ہے۔ ماضی قریب کی بات ہے کہ فلپائن یا کسی ملک میں بھکمری کی صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔ میدان عرفات میں امیر نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی قربانی کا گوشت اس ملک کے لوگوں کے لیے وقف کریں۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں ٹن گوشت جمع ہو گیا۔ جس سے اس فاقہ زدہ ملک کے لوگوں کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔

اس طرح ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلام کے پانچ بنیادی ستون ہیں۔

: کیا یہ تمام پانچ باتیں مسلمانوں پر فرض ہیں؟

جواب: جی ہاں فرض ہیں۔ ان پانچوں باتوں پر عمل کیے بغیر خدا انسان سے راضی نہیں۔ بعض صورتوں میں استثناء ہے۔ مثلاً جنگ کی حالت میں دشمن سے مقابلہ کرنا لازمی ہے۔ ایسی صورت میں نماز، روزہ، حج وغیرہ موخر کیے جاسکتے ہیں۔

سوال: اسلام کی عمارت کا اہم ترین اور پہلا ستون ایمان ہے۔ ہمیں بتائیے کہ ایک مسلمان کو کن کن باتوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے؟

جواب: بہت ساری باتوں پر ایمان رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ میں ان میں سے چند اہم ترین باتیں بیان کروں گا۔ ایمان کا پہلا جز توحید ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا صرف ایک ہے۔ تمام کائنات، زمین و آسمان اور اس کی ہر چیز کا خالق و مالک ایک ہی خدا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یقین رکھنا کہ عبادت کے لائق صرف خدا اکیلا ہے۔ اسے کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر انسان کامیابی حاصل کرتا ہے۔ ایمان کا دوسرا جز رسالت کہلاتا ہے۔ یہ یقین رکھنا کہ خدا نے انسانوں کو اپنی، مرضی اپنی عبادت کا طریقہ اور دُنیا و آخرت میں کامیابی کا
راستہ بتانے کے لیے خود انسانوں ہی میں سے اپنے نبی اور سول بھیجے ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدمؑ تھے اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نبی قیامت تک آنے والا نہیں ہے۔ رسالت میں یہ بھی شامل ہکہ خدا نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کیں۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد پچھلے سارے نبیوں و رسولوں کی تعلیمات منسوخ ہو چکی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے جو دین پیش کیا وہ وہی دین ہے جو پچھلے انبیاء لے کر آئے تھے۔

سوال: اسلام کے بارے میں سنتے ہوئے ہمیں کافر نامی اصطلاح سے واسطہ پڑتا ہے۔ کافر کا مطلب کیا ہے؟ کافر کسے کہتے ہیں اور مراٹھی میں کافر کو کیا کہا جاتا ہے؟

جواب: کافر کا ماخذ عربی لفظ 'کفر' ہے۔ کفر کا مطلب ہے چھپانا۔ لغوی معنی میں حقیقت کو چھپانا کفر کہلاتا ہے۔ اسلام کے مطابق ہر شخص فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا معاشرہ اور خاندان اُسے اسلام سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ گویا انسان خارجی دباؤ میں آ کر اس حقیقت کو چھپاتا ہے کہ ہم سب کا مالک ایک اکیلا خدا ہے۔ ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔ ہمارے ہندو بھائیوں کے لیے یہ کوئی گالی نہیں ہے۔

سوال: بہت سے مفکروں کا ماننا ہے کہ کافر کا مطلب ملحد ہے۔ مثلاً ڈاکٹر رفیق ذکریا اور عبدالقادر مخدوم وغیرہ دانشوروں کا ماننا ہے کہ کافر دراصل ملحد کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہندو کافر نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: کافر کا جو مطلب میں نے بیان کیا ہے وہ قرآن کے مطابق ہے۔ ایک شخص خدا پر یقین رکھنے والا ہوتا ہے لیکن خدا کی ذات وصفات میں دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے جیسے ہمارے ہندو بھائی۔ اس طرح ہندو بھائیوں نے ایک حقیقت یعنی خدا کا وجود چھپایا نہیں ہے۔ ہمارے پسماندہ ذات کے بھائیوں نے اس حقیقت کو چھپایا ہے یعنی یعنی وہ خدا کی ذات پر یقین نہیں رکھتے میں اپنے پسماندہ ذات کے دوستوں سے اکثر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہندو بھائی ہیں۔ یہ سُن کر وہ چونک جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ایسا کیوں۔ میں جواب دیتا ہوں کہ ہمارے پسماندہ بھائی خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتے۔ بہت سارے دیگر افراد بھی ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔ اب فرض کیجیے مجھے سفر پر جانا ہے تو میں اپنی بیٹی ایک ہندو کے حوالے کرسکتا ہوں کیونکہ اس کو خدا پر یقین ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ میں تمہارے حوالے اپنی بیٹی کیسے کرسکتا ہوں۔ تمہارے دل میں نہ خدا کا یقین ہے نہ اس کا خوف ہے۔ اس طرح خدا کے وجود کا انکار کرنا کفر ہے۔ ڈاکٹر رفیق ذکریا نے اس معنی میں ہندوؤں کو کافر ماننے سے انکار کیا۔

سوال: ناندیڑ سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس میں ایک سابقہ جج نے کہا تھا کہ حمید دلوائی کافر ہیں۔ اس بات سے کیا آپ متفق ہیں؟

جواب: اسی مفہوم میں حمید دلوائی کو کافر قرار دیا گیا تھا۔ حمید دلوائی نے کہا تھا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے اس لیے لوگوں کے سامنے اسے اللہ کا کلام کہہ کر پیش کیا تاکہ وہ ان کی بات کا یقین کریں۔ اگر حضرت محمد ﷺ اسے اپنا کلام کہہ کر پیش کرتے تو لوگ قبول نہیں کرتے۔ تمام دُنیا کے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

سوال: تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے؟ ایک ایمان والے اور دوسرے ایمان نہ لانے والے؟

جواب: جی ہاں! صحیح ہے۔

سوال:: لفظ ''مسلمان'' کا اصل مفہوم ومطلب کیا ہے؟

جواب: ایمان کے بعد دوسرا مرحلہ اسلام ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے خدا کی ذات، اس کے رسول وغیرہ پر یقین کر لیا تو گویا میں ایمان والا یا مومن ہو گیا۔ اب ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ میں نماز ادا کروں، روزہ رکھوں وغیرہ۔ اب اگر میں ان تقاضوں کو پورا کروں تو میں مسلمان ہوں۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایمان کا تعلق یقین سے ہے اور اسلام کا تعلق عمل سے ہے۔ یقین رکھنے والا مومن کہلاتا ہے اور عمل کرنے والا مسلمان کہلاتا ہے۔

سوال:: ایمان کے تحت جن باتوں پر یقین رکھنا لازمی ہے ان میں عقیدہ آخرت اہم ترین عقیدوں میں سے ایک ہے۔ مراٹھی میں ہم اسے فیصلے کا دن کہتے ہیں۔ ہمیں سمجھایئے کہ عقیدہ آخرت کیا ہے؟

جواب: ایک شخص ایمان لاتا ہے۔ اسلام کے مطابق عبادات کرتا ہے۔ نیک کام کرتا ہے۔ برائیوں سے بچتا ہے۔ روزہ میں بھوکا پیاسا رہتا ہے اور تمام تکالیف برداشت کرتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان یہ سب کیوں کرتا ہے؟ کیا وہ پاگل ہے کہ خواہ مخواہ

نیک کام کرے اور برائیوں سے بچے !اس سوال کا جواب اسلام یہ دیتا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب تمام انسان خدا کے دربار میں پیش ہوں گے اور اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔ دُنیا میں انسان ظلم کرتا ہے۔رشوت لیتا ہے۔بے ایمانی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔آخرت کے دن انسان کے تمام کام اسکرین پر اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور انسان کے پاس اپنے جرم قبول کرنے کے سواء کوئی چارہ نہیں ہوگا۔جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔نیک لوگوں کو انعام میں جنت ملے گی اور گناہ گاروں کو سزا کے طور پر دوزخ میں ڈھکیلا جائے گا۔

اسی طرح ہم جس نیت سے نیک کام کرتے ہیں۔اس کی بھی اللہ کو خبر ہے اور اسی نیت کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔مثلاً میں بس میں سفر کر رہا ہوں۔اتنے میں ایک خاتون مسافر سوار ہوتی ہے۔میں اپنی سیٹ خالی کر کے اسے دے دیتا ہوں۔اگر میں نے خلوص نیت کے ساتھ یہ کام کیا تو اللہ اسے بھی جانتا ہے اور اگر میں نے اس عورت کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اُسے رُجھانے کے لیے یہ کام کیا ہے تو اس سے بھی خدا باخبر ہے۔ آخرت میں خدا مجھے بتادے گا کہ میں نے کس جذبہ کے تحت یہ نیک کام کیا تھا۔میری نیت اور میرے دل کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔دُنیا میں ہم انسانوں کو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے کیونکہ خدا عالم الغیب ہے۔ہمارے دل میں ہمارے دماغ میں کیا چل رہا ہے اسے سے وہ بخوبی واقف ہے۔یہی عقیدہ ایک انسان کو دیانندار، نیک اور اصول پسند بناتا ہے اور اسے ظلم اور گناہ سے باز رکھتا ہے۔جس کے دل میں خدا کا جتنا خوف ہوگا وہ اُتنا ہی نیکی سے قریب اور برائی سے دور ہوگا۔ایسا ہی شخص ایک اچھا انسان اور اچھا شہری ہوسکتا ہے۔

سوال :: بعض مسلم دانشور کہتے ہیں کہ ہر انسان اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو تو اُسے جنت ملے گی لیکن قرآن کہتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے انسان کو ہی جنت ملے گی۔ ہمیں بتائیے کہ صحیح کیا ہے؟

جواب : جس نے اللہ کی مرضی کو قبول نہیں کیا اور اپنی خواہش کی پیروی کی۔وہ کافر ہے اور اس کے لیے جنت کے دروازے بند ہیں۔جس نے اپنے خواہش اور اپنی مرضی کی بجائے خدا کی مرضی اور خدا کی رضا کے لیے کام کیا اسی کو جنت ملے گی۔کیونکہ خدا کی مرضی پر چلنے والا شخص ہی دُنیا میں بہترین زندگی گزارے گا۔ اخلاق کا مظاہرہ کرے گا اور دوسرے انسانوں کے لیے فائدہ مند بنے گا۔

سوال: انسان کے لیے یہ دُنیا ایک امتحان گاہ ہے۔اللہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب : اسلام کہتا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔انسان جیسی نیت کرے گا اس کے اعمال ویسے ہوں گے۔میں صرف ظاہری عمل کرتا ہوں لیکن دل میں کچھ اور ہے تو یہ عمل اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔اگر میں نماز پڑھتا ہوں اور میرے پہلو میں میرا نوکر نماز پڑھ رہا ہے۔اس وقت اگر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں میں ایک آفیسر اور کہاں یہ ایک نوکر۔تو میری نماز بے کار ہے۔

عبادت کا مطلب صرف نماز، روزہ، حج وغیرہ نہیں ہے۔عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں۔اگر میں عمر بھر اچھے عمل کروں، لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے نبھاؤں، اپنا کاروبار دیانداری سے کروں تو یہ بھی عبادت ہے۔اور اسی کے لیے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

سوال: قرآن میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں؟اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب: قرآن میں ۲۳ نبیوں کا ذکر ہے۔مثلاً عیسیٰؑ، موسیٰؑ وغیرہ کا ذکر ہے۔ایک نبی ذی الکفلؑ کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔بعض مسلم دانشوروں کا کہنا ہے کہ ذی الکفل سے گوتم بُدھ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔حالانکہ اس جانب یقینی طور پر کہا نہیں جا سکتا۔عیسیٰؑ وغیرہ کا نام قرآن میں موجود ہے اس لیے ان کے بارے میں یقین ہے کہ وہ اللہ کے نبی تھے۔

اللہ نے آدمؑ کے بعد بے شمار نبی اور رسول روانہ کئے۔ایک نبی کے بعد ان کے پیروؤں نے ان کی تعلیمات میں تحریف کر دی تو اللہ نے ایک اور نبی بھیجا۔ان کے پیروؤں نے بھی دین کو بگاڑ ڈالا تو ایک اور نبی بھیجا۔اسطرح کئی نبی روانہ کئے یہاں تک کہ سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور فرمایا کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔قیامت آجائے گی۔پہلے کے نبیوں اور رسولوں کو اللہ نے معجزے (کرشمے) عطا کئے تھے۔جیسے حضرت موسیٰؑ کو ید بیضا عطا کیا تھا۔وہ اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈال کر نکالتے تو وہ خوب چمکتا۔حضرت صالحؑ کی قوم نے ان سے حاملہ اونٹنی کے معجزے کا مطالبہ کیا۔اللہ نے انہیں یہ معجزہ عطا کیا۔اسی طرح دیگر بہت سے نبیوں کو اللہ نے معجزے عطا کئے تھے۔آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے اسی طرح کا کوئی معجزہ نہیں دیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کا معجزہ قرآن ہے۔لوگوں نے حضرت محمد ﷺ سے بھی مطالبہ کا کہ پچھلے نبیوں کی طرح تم بھی کوئی معجزہ دکھاؤ تو حضرت محمد ﷺ نے ان کے سامنے قرآن پیش کیا۔یہ معجزہ قیامت تک رہے گا۔قرآن معجزہ اسی لیے ہے کہ قرآن ایسا منطقی اور حقیقت پر مبنی کتاب ہے کہ قرآن کے نزول سے آج تک قرآن کی کسی آیت یا تعلیم کو کوئی چیلنج نہیں کر سکا۔

سوال : اسی قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے حضرت محمد ﷺ سے پہلے دُنیا کی ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے اور ان پر اپنی کتابیں نازل کیں۔قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ان تمام نبیوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ان میں سے کسی کو ماننا اور کسی کا انکار کرنا کفر ہے۔لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف نبیوں اور کتابوں کو ماننے والے مذاہب کے درمیان شدید اختلافات بلکہ تضادات پائے جاتے ہیں۔ایسی صورت میں تمام نبیوں اور ان کی کتابوں پر مساوی یقین رکھنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب : ہم حضرت عیسیٰؑ کی مثال لیتے ہیں۔ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی تھے اور وہی اسلام لائے تھے جو اسلام حضرت محمد ﷺ لائے تھے۔لیکن آج حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اور ان کا لایا ہوا دین دُنیا میں باقی نہیں ہے۔کیونکہ جس قوم میں حضرت عیسیٰؑ آئے تھے اس قوم کے لوگوں نے ان کو سولی پر چڑھانے کی کوشش کی اور ان کی تعلیمات کو مسخ کر ڈالا۔حضرت عیسیٰؑ کے سچے پیروؤں کو لاکھوں کی تعداد میں ختم کر دیا۔

سوال : ہماری ملاقات دلچسپ سے دلچسپ ہوتی جارہی ہے اور حاضرین پورے انہماک سے سن رہے ہیں۔میرا اگلا سوال یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں رواداری پیدا کرنے کے لیے اور آپسی اختلافات ختم کرنے کے لیے کتاب لکھی تھی جس میں مولانا نے لکھا تھا کہ دُنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں۔البتہ ان کے ماننے والے اپنے اپنے مذہب سے دور چلے گئے ہیں۔قرآن کہتا ہے کہ تمام مذاہب کے

ماننے والے ایک راستے کی طرف پلٹیں۔اسی راستے کو قرآن نے الدین اور الاسلام کہا کہ لہٰذا تمام انسان اسلام کی طرف رجوع ہوں۔اس بابت آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : جی وہی ہے جو میں نے ابھی کہا کہ پچھلی قوموں نے اپنے اپنے نبی کی تعلیمات کو مسخ کرڈالا۔اب صحیح صورت میں صرف اسلام دُنیا میں باقی ہے۔قرآن تمام انسانوں کو اپیل کرتا ہے کہ وہ تکبر چھوڑیں اور اسلام کی آغوش میں آجائیں۔۔

سوال :: یعنی دیگر تمام مذاہب چھوڑ کر سارے انسان اسلام میں داخل ہوجائیں؟

جواب : جی ہاں! سب نے مکمل طور پر اپنا مذہب ترک کر کے اسلام میں داخل ہوجانا چاہیے۔

سوال :: بعض مسلم علماء نے کہا کہ اگر گیتا اور قرآن، اللہ نے ہی نازل کیں۔محمد اور رام یا محمد اور کرشن کی تعلیمات یکساں ہیں۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ گیتا اور قرآن الگ الگ کتابیں ہیں۔محمد اور رام یا کرشن مختلف شخصیات ہیں تو ان کو مساوی طور پر ماننا کیونکر ممکن ہے؟

جواب : قرآن کو الفرقان یعنی کسوٹی کہا گیا ہے۔کسی مذہب کی کسی تعلیم،طریقہ یا روایت کی سچائی جاننا ہو تو ہمیں قرآن کا سہارا لینا پڑتا ہے۔پچھلے نبیوں کی جو تعلیمات آج صحیح شکل میں باقی ہیں۔قرآن ان کو صحیح کہتا ہے۔اور جو غلط باتیں آج مختلف مذاہب اور قوموں میں پچھلے نبیوں سے غلط طور پر منسوب ہیں قرآن ان کو غلط کہتا ہے۔مثلاً بھارت کے ہندو سماج میں ہزاروں برسوں سے ورن ویوستھا قائم ہے۔اب اگر ہمیں جانچنا ہو کہ ورن ویوستھا یا ذات پات کا نظام صحیح ہے یا غلط تو ہمیں قرآن میں جھانکنا پڑتا ہے۔قرآن کہتا ہے کہ تمام انسان ایک آدمؑ وحواؑ کی اولاد ہیں۔اس لیے سب برابر ہیں۔اس لحاظ سے بھارت کے ہندوؤں کا ذات پات کا نظام غلط ہے۔حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں عرب میں کالے، گورے، عربی، غیر عربی وغیرہ قسم کے انسان تھے اور ان میں بھید بھاؤ ہوتا تھا۔حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف، اپنے قول سے بلکہ اپنے عمل سے بھی اس بھید بھاؤ کو ختم کیا۔آپ نے بلالؓ نامی حبشی غلام کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا۔حالانکہ ایک زمانہ ایسا تھا جب عرب کا کوئی آدمی بلال سے اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح کرانے تیار نہیں تھا۔اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ حضرت محمد ﷺ کے حکم پر حضرت عبدالرحمان بن عوف جیسے امیر ترین مسلمان نے اپنی بہن کا نکاح بلال سے کرادیا۔

سوال :: قرآن میں کئی مقامات پر پچھلے رسولوں اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ان کے ذکر میں یہ کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسولوں پر ایمان نہ لانے کی پاداش میں اور شرک کرنے کے سبب اللہ نے ان قوموں پر عذابات نازل کئے۔تفسیر دعوۃ القرآن میں لکھا ہوا ہے کہ بھارت میں اللہ نے اپنے نبی ورسول روانہ کئے تھے اور انکار کرنے پر ان قوموں پر عذابات آئے۔ ہڑپا، موہن جوداڑو، لوتھل وغیرہ بستیوں کے آثار دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ بستیاں عذابات کا شکار ہوئیں۔ان بستیوں کے آثار سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ وہ لوگ شرک میں مبتلا تھے۔اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : یہ اُن (مفسر دعوۃ القرآن) کے اندازے ہیں۔قرآن میں نام کے ساتھ ان بستیوں کا ذکر نہیں۔میں اپنے جوابات صرف قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہی دوں گا۔

Ministry of MSME, Govt. of India

MSME - Micro, Small and Medium Enterprises

ایک تعارف

حکومت ہند کے تحت چھوٹی تجارتوں کے لئے ایک قلمدان Ministry وضع کی گئی ہے، جو MSME کہلاتی ہے۔چھوٹے اور کم سرمایہ کے کاروبار کی مختلف قسموں کو MSME میں شامل کیا جاتا ہے۔موجودہ حالات میں یہ آنترپرینیور کے لئے ایک متبادل کی صورت میں سامنے آیا ہے۔اور یہ ہمارے ملک کی سماجی اور معاشی ترقی میں معاون ثابت ہورہا ہے۔اس میں خاص طور پر KVs Khadi and Village Industries کھادی و دیہاتی صنعتیں، ساحلی علاقوں پر موجود Coir Industries یعنی ناریل کے ریشوں سکے مصنوعات اور زراعت پر منحصر چھوٹی موٹی کمپنیاں شامل ہیں۔لیکن عمومی طور پر اس کا اطلاق ان تمام تجارتوں پر ہوتا ہے جس میں کم سرمایہ،کم افرادی قوت اور کم محنت کے ذریعے منافع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کے ذریعے ملک کی برآمدات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔آنترپرینیورشپ کو ترقی دینے اور نئے کاروبار کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے حکومت ہند نے اس وزارت کا قیام کیا، جس کے تحت کاروبار اور اس کے مواقع جیسے موضوعات پر معلومات فراہم کی جاتی ہے۔مختلف ریاستی وضلعی سطح پر منافع بخش تجارت کی شناخت کر کے، آنترپرینیورس کو اس جانب متوجہ کیا جاتا ہے۔نئی تجارتوں کے پروجیکٹ تیار کرنے اور مفت مشاورتی خدمات سے لے کر، تجارتی ترقی اور آپ کے ذریعے تیار کردہ مصنوعات کی فروخت جیسے کاموں کے سلسلہ میں اس کے ذریعے تعاون فراہم کیا جاتا ہے۔لہٰذا اگر آپ اپنے کاروبار میں حکومت کے تعاون کے خواہاں ہیں تو اس وزارت کا ضرور فائدہ اٹھائیں۔اس وزارت کے تحت مختلف پالیسیز اور اسکیموں کا تعارف وزارت کی ویب سائٹ www.msme.gov.in سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

عدنان الحق

ریاست مہاراشٹر

کے اسکولی نصاب کا تنقیدی جائزہ

(ایک رپورٹ)

جولائی 2017 میں مرکز ایس آئی او پر منعقدہ ریسرچ ورکشاپ میں مندرجہ ذیل شرکاء کے ذریعے تیار کی گئی ایک رپورٹ

عبیدالرحمٰن خان (ممبئی)　　معظم شیخ (شولاپور)　　سلیم موتلانی (آکولہ)

فیضان الرحمٰن (ناگپور)　　توصیف جعفر خان (آکوٹ)

تعلیم انسانی زندگی کا سب سے اہم حصّہ ہے جس کے ذریعہ انسان سماج میں کسی مقام کو حاصل کر پاتا ہے۔ یہی وہ جز ہے جو اس کے عروج یا زوال کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی ملک کی ترقی کا میعار اسکے باشندوں کی تعلیمی صورتِ حال سے باآسانی طے کیا جا سکتا ہے جو کہ اس ملک کی معاشی اور سماجی نشوونما کا باعث بھی بنتا ہے۔

لیکن علم کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ ترقی اور عروج کا مقام حاصل کر لیا جائے بلکہ یہ ہماری ماضی سے آگاہی کرواتا ہے اور مستقبل میں درپیش مسائل کا قبل از وقت حل تیار کرنے کی طرف راغب کرواتا ہے اور علم ہی وہ جز ہوگا جو ہماری نسلوں کو ترقیاتی اور معاشی نشوونما کے ساتھ ساتھ معاشرتی سدھار عطا کرتا ہے۔ آج ہمارے ملک کی تعلیمی صورتِ حال قابلِ غور ہے جس کی ہر فرد کو فکر بھی ہے جس کے تحت وقت کی حکومتیں بھی وقتاً فوقتاً مختلف حکمتِ عملی اختیار کرتی آئی ہیں جس میں سروشکشن ابھیان۔ ۲۰۰۹ پروجیکٹ کے تحت ہر شہری تک تعلیم کو پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے جس میں مفت و معیاری تعلیم کا حکومتی نعرہ بھی شامل ہے۔

لیکن جہاں یہ خواب ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے اہمیت کا حامل ہے وہیں ملک کے کچھ گنے چنے افراد جنہیں فرد کی ترقی سے زیادہ اپنے ذاتی فائدے کی فکر ستاتی ہے، جنہیں معیاری تعلیم مفت میں دینا بھی گوارا نہیں، یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے تعلیم کو حقیقی تعلیم کی حدوں سے خارج کر کے صرف تجارت تک محدود کر رکھا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں نچلی ذات کے باشندوں کا پروان چڑھنا گوارہ نہیں، جس کی وجہ سے آج ہمارے ملک میں تعلیم بہت مہنگی ہوتی جا رہی ہے اور یہی وہ ایک وجہ ہے جو سروشکشا ابھیان جیسے عظیم خواب کو چکنا چور کر دیتا ہے یہی وجہ آج ہمارے ملک کی تعمیر و ترقی کی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

ٹھیک اسی طرح جہاں تعلیم کا تجارتی کرن اپنے عروج پر ہے ویسے ہی تعلیم کو کسی مخصوص طبقے سے منسوب کرنے کا کام بھی شروع ہے (یعنی تعلیم کا بھگوا کرن) جس نے افراد میں بے چینی اور نفرت کی فضاء کو ہموار کرنے کا کام انجام دیا ہے جو ملک کا بھائی چارہ اور فکری ہم آہنگی کو مجروح کرتا ہے۔

اسی ضمن میں ایس۔آئی۔او　　نے ملک کے مختلف ریاستوں کے نصاب کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی جس میں ''نیشنل کری کیولم فریم ورک'' (NCF 2005) کی رہنمائی میں مہاراشٹر بورڈ کی جانب سے شائع کردہ نصاب میں سے شوسل سائنس کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے ساتھ میں قابلِ اعتراض مواد بھی شامل کیا گیا ہے۔

قابلِ اعتراض موادنمبر 1:

جماعت- چہارم/ چوتھی　　نام کتاب- چھتراپتی شیواجی

جاری کردہ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ (2014)

سبق: شواجی کی پیدائش سے پہلے کا مہاراشٹر (صفحہ نمبر ۱)

اس سبق میں مہاراج شیواجی کی زندگی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انکا بچپن سے جوانی تک کا سفر پر مبنی اس کتاب میں ذکر ملتا ہے جب انکی پیدائش ہوئی اس وقت مہاراشٹر میں مغلوں کی حکومت تھی جن کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ مغل ظالم اور ناانصاف پسند حکمراں تھے۔ جس کی وجہ سے رعایا کو نہ پیٹ بھر کھانا ملتا اور نہ ہی پہننے کے لیے کپڑا نصیب تھا اس طرح کی تعلیم کسی خاص طبقے یا مذہب کے ماننے والوں کی تصویر کو خراب کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس سبق میں ہندوستانی تاریخ سے چھیڑ خانی کی گئی۔

قابلِ اعتراض موادنمبر 2:

جماعت- چہارم/ چوتھی　　نام کتاب- چھتراپتی شیواجی

جاری کردہ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ (2014)

سبق: مہاراشٹر-شیواجی کی پیدائش سے پہلے (صفحہ نمبر ۱)

اس سبق میں شیواجی کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ کس طرح شیواجی نے سوراج کی تحریک کا افتتاح کیا اور کون کون لوگ ان کے ساتھ منسلک رہے۔

مہاراج شیواجی کا ایک ہی خواب تھا کہ مہاراشٹر کو باہر کی تمام حکومتوں سے پاک کیا جائے جس کے تحت ایک تحریک شروع کی گئی جس کا نام ''ہندوی سوراج'' رکھا گیا۔ اس ضمن میں یہ اعتراض آتا ہے کہ ریاستِ مہاراشٹر تمام ٹیچرس کو ہنڈ بک میں ''ہندوی سوراج'' کو واضح کریں یہاں اس بات کا شبہ ہوسکتا ہے کہ طلبہ اسے ہندوستانی سوراج کی بجائے ہندو

سوراج نا بنالیں، تا کہ طلبہ اسے کسی مذہبی تحریک کا حصہ نہ سمجھیں کیونکہ یہ تحریک سیاسی ہی تھی نہ کہ مذہبی۔

قابلِ اعتراض مواد نمبر 3:

جماعت - چہارم/ چوتھی   نام کتاب - چھترا پتی شیواجی

جاری کردہ مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ (2014)

سبق: شواجی کی پیدائش سے پہلے کا مہاراشٹر (صفحہ نمبر ۲)

چوتھی جماعت کے نصاب میں طلبہ کو سرگرمی کے لیے کہا گیا جس میں اس بات کی ہدایت کی گئی کہ اپنی جماعت میں شیوجینتی منایئے۔ اس بات پر یہ مانا جاسکتا ہے کسی مذہبی یا سیاسی اور سماجی رہنما کی یاد میں کسی بھی دن کو مخصوص کیا جاسکتا ہے اور ان کی یاد میں ریاست کی تمام سرکاری اسکولوں کی تعطیل بھی کی جاسکتی ہے لیکن یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ طلبہ پر ان کی پیدائش کو لازمی طور پر منانے کا حکم دیا جائے جبکہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ کچھ سرکاری اداروں میں شیوجینتی منائی گئی جبکہ اس دن حکومت کی جانب سے تعطیل رکھی گئی تھی۔

قابلِ اعتراض مواد نمبر 4:

جماعت - ششم/ چھٹی   نام کتاب - تاریخ اور شہریت

جاری کردہ مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ

سبق - قدیم بھارت میں مذہبی رجحانات: (صفحہ نمبر 20)

اس سبق میں ملک بھارت کے قدیم مذاہب کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- جین مذہب   ۲- بودھ مذہب   ۳- یہودی مذہب

۴- عیسائی مذہب   ۵- اسلام مذہب   ۶- پارسی مذہب

مندرجہ بالہ مذاہب میں الگ الگ مذاہب کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا لیکن ہندو مذہب جس کی ابتدا خود بھارت سے ہوئی اور کافی قدیم بھی ہے اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں جب کہ NCF 2005 کی ہدایات کے مطابق مذاہب کے تعارف میں طلبہ کو ان تمام مذاہب کی تعلیم دینا ضروری ہے جس پر اس ملک کے باشندے عمل آوری کرتے ہیں اس سبق میں طلبہ کو ملک کی مخصوص مذہب ہندوازم کی تعلیمات اور اسکے حقائق سے دور رکھا گیا۔

قابلِ اعتراض مواد نمبر 5:

جماعت - ہفتم/ ساتویں   نام کتاب - تاریخ اور شہریت

جاری کردہ مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ (2017) (کور پیج)

اس کتاب کے پہلے ہی صفحے پر ہندوستان کا نقشہ بنایا گیا ہے جس میں شیواجی مہاراج کی دورِ حکومت کی ایک جھلک دکھلانے کی کوشش کی گئی جس کہ لیے ایک بھگوا جھنڈے کا استعمال کیا گیا جو کہ شیواجی مہاراج کی تحریک سے بالکل بھی میل نہیں کھاتا بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بہت محتاط طریقے سے سنگھ یعنی آر ایس ایس کی نظریات کو پیش کرنا مطلوب ہے جو کہ بچوں کے ذہن پر غلط اثرات مرتب کرنے کے لیے کافی ہے۔

قابلِ اعتراض مواد نمبر 6:

جماعت - ہفتم/ ساتویں   نام کتاب - تاریخ اور شہریت

جاری کردہ مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ (2017)

شیواجی مہاراج کے پہلے کا بھارت (صفحہ نمبر ۹)

تاریخ کی اس کتاب میں اورنگ زیب اور تیغ بہادر کی لڑائی کا ذکر کیا گیا اور آگے بتایا گیا کہ اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو پہلے قید کروایا اور پھر انہیں قتل کروادیا جس کی وجہ سے سکھوں اور مغلوں میں نا اتفاقی پیدا ہوئی اور اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کا قتل کروایا کیونکہ گرو تیغ بہادر اورنگ زیب سے نفرت کرتے تھے جس کی وجہ مذہبی تعصب پرستی بتائی گئی اس میں اعتراض یہاں پیدا ہوتا ہے کہ اورنگ زیب اور تیغ بہادر کی لڑائی حقیقت میں انکی اپنی فکر سے متعلق تھی جسکی بنیاد پر اورنگ زیب نے انکا قتل کروایا لیکن یہاں بچوں میں اورنگ زیب کی شخصیت سے متعلق نفرت پیدا کی جارہی ہے کہ انکی حکومت نفرت آمیز رہی اور ان کا رویہ صرف مذہبی تھا جب کہ گرو تیغ بہادر سے لڑائی کے بارے میں تاریخ داں کسی خاص اور حتمی انجام تک نہیں پہنچ پائے، وہ لڑائی انفرادی رہی تھی نا کہ مذہب کی بنیاد پر۔

قابلِ اعتراض مواد نمبر 7:

جماعت - ہفتم/ ساتویں   نام کتاب - تاریخ اور شہریت

جاری کردہ مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ (2017)

سبق: مثالی حکمران (صفحہ نمبر ۳۴)

اس کتاب میں مثالی حکمران کے عنوان سے ملک کی تمام سیاسی وسماجی تحریک کے قائدین کا ذکر کیا گیا اور انکے کارناموں، اچھائیوں اور برائیوں پر روشنی ڈالی گئی اس سبق میں جہاں تمام تحریکوں کے برتاؤ کا ذکر کیا گیا وہیں اس میں مغلوں اور پرتگالیوں کا بھی رویہ بتانے کی کوشش کی گئی لیکن یہاں اعتراض اس بات میں ہے کہ مغلوں کے ذکر کرتے وقت بچوں کے سامنے مسلمان کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کی گئی اسی سبق میں جہاں مغلوں کے برتاؤ کو مسلمانوں کے رویہ سے جوڑا گیا ہے وہیں اسلام کو بھی ویسا ہی مذہب قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ اسلام عظمت والا اور امن پسند دین ہے اور عظیم رہنماؤں کی ایک لمبی فہرست سے دنیا کو دوچار کراتا ہے جو کہ کسی بھی مناسبت سے ٹھیک نہیں کہ بچوں کو مثالی حکمرانوں کے بارے میں تعلیم دی جائے ساتھ ہی ساتھ اسلام اور مسلمانوں پر بھی کیچڑ اچھالا جائے۔

سی سی ایس یو: جہاں خواب تعبیر پاتے ہیں

طلحہ منان
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

جون جولائی کی گرم دوپہر، میرٹھ شہر کی سڑکیں سنسان ہیں لیکن سی سی ایس یو کیمپس میں چہل پہل ہے۔ کاؤنٹر در کاؤنٹر طلبہ و طالبات کورسز اور داخلہ کے متعلق معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ سورج کی تیز تپش اعلی تعلیم حاصل کرنے کے حوصلوں کے آگے ہار مان رہی ہے۔ بارہویں کے نتائج آنے کے بعد سے ہی داخلے کے لئے دوڑ میں مزید تیزی آگئی ہے۔ کیا پڑھیں، کہاں پڑھیں جیسے سوالات نوجوان طلبہ وطالبات کے ذہنوں کی الجھن بن گئے ہیں۔ سی سی ایس یو کے ہرے بھرے کیمپس میں ان سبھی سوالات کے جوابات موجود ہیں کیونکہ یہاں آرٹس اور سائنس کے روایتی کورسز کے علاوہ تمام پروفیشنل کورسز بھی چل رہے ہیں۔

یونیورسٹی کا تاریخی سفر:

سی سی ایس یو کا نام سابق وزیر اعظم چودھری چرن سنگھ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یونیورسٹی یکم جولائی 1965 کو قائم کی گئی تھی۔ آج یونیورسٹی کے پاس 221 ایکٹر زمین موجود ہے جس کے تقریباً 80 فیصد حصے میں ہریالی اور باقی 20 فیصد حصے میں کیمپس کی عمارتیں ہیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ اس یونیورسٹی کا سفر خیموں اور کرائے کی عمارتوں سے شروع ہوا تھا لیکن اس وقت کے شیخ الجامعہ جناب آر کے سنگھ نے تمام شعبوں کی بنیاد ہارورڈ یونیورسٹی کی طرز پر رکھی تھی۔ آج سی سی ایس یو اپنے سفر کے اس مقام پر ہے جہاں علمی دنیا اس کا لوہا مانتی ہے۔ گلوبلائزیشن کے اس دور میں دنیا نے اعلی تعلیم کے طریقہ کار کو بھی بدلا ہے۔ سی سی ایس یو نے خود کو اس بدلتے ماحول میں بہت سلیقے کے ساتھ ڈھالا۔ عمارت کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کا تعلیمی نظام بھی بہتر ہوتا گیا۔ آج یونیورسٹی کے روایتی کورسز کی دھمک ہے تو پروفیشنل کورسز کا بھی خاصا نام ہے۔ ریسرچ کو لے کر بھی سنجیدگی ہے جو کہ یونیورسٹی سے ریسرچ فیلوشپ کے لئے کوالیفائی کرنے والے طالب علموں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔ کئی معاملات میں سی سی ایس یو صوبے کی اکیڈمک دنیا میں پہل کرتا نظر آتا ہے۔ پہلی بار سیمسٹر سسٹم کے نفاذ کی بات ہو یا آن لائن (Online) داخلوں کو عمل میں لانے کی، سی سی ایس یو نے یہ سب کر دکھایا۔ ڈی یو جیسی یونیورسٹی نے گزشتہ سال سے ہی داخلے کے لئے آن لائن رجسٹریشن شروع کیے ہیں جبکہ سی سی ایس یو پچھلے پانچ سالوں سے یو جی اور پی جی کورسز میں داخلہ کے لئے آن لائن رجسٹریشن کرا رہا ہے۔

کیا ہیں کورسز؟

یونیورسٹی میں اس وقت یو جی، پی جی، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ کے 95 طرح کے کورسز چل رہے ہیں۔ جن میں 10 مضامین میں گریجویشن، 39 مضامین میں پوسٹ گریجویشن، 16 میں ایم فل، 17 میں پی ایچ ڈی، 5 میں سرٹیفکیٹ، 5 میں ڈپلومہ، 2 میں پی جی ڈپلومہ اور شعبہ قانون میں دو کورسز چل رہے ہیں۔ یو جی، پی جی اور پروفشنل کورسز میں جہاں

میرٹ سے داخلہ ہوتا ہے، وہیں ایم فل، پی ایچ ڈی، ایم ایڈ، بی پی ایڈ جیسے کورسز میں داخلے کی لیے امتحان ہوتا ہے۔

شعبہ قانون میں بی اے ایل ایل بی اور ایل ایل ایم اور شعبہ تعلیم میں بی پی ایڈ، ایم پی ایڈ اور ایم ایڈ جیسے کورسز بھی ہیں۔ اس کے علاوہ خصوصی طور پر طالبات کے لئے Human Development اور Food And Nutrition جیسے مضامین میں ایم ایس سی کا کورس ہے۔ غیر ملکی زبانوں کی بات کریں تو روسی اور فرانسیسی زبانوں میں ڈپلومہ کورسز بھی چل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ریموٹ سینسنگ اور لائبریری سائنس میں بھی ڈپلومہ کورسز موجود ہیں۔ اگر آپ مائکرو بایولوجی میں پوسٹ گریجویشن کرنا چاہتے ہیں تو سی سی ایس یو ایک بہتر آپشن ہے۔ اس کے علاوہ علم تقسیم حیوانات یعنی Taxology میں ایم ایس سی کا کورس ہندوستان کے کچھ ہی تعلیمی اداروں میں ہے، ان میں سی سی ایس یو بھی ہے۔

سی سی ایس یو کا اپنا انجینئرنگ کالج بھی ہے۔ سر چھوٹو رام انجینئرنگ کالج میں اے کے ٹی یو کا نصاب تعلیم ہی نافذ ہے لیکن امتحان خود سی سی ایس یو لیتی ہے۔ داخلے میرٹ کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

گزشتہ سال سے یونیورسٹی میں چل رہے سبھی پوسٹ گریجویشن کورسز میں سی بی سی ایس یعنی Choices Base Credit System بھی نافذ ہو گیا ہے۔ اگر کوئی طالب علم کسی پی جی کورس میں داخلہ لیتا ہے تو وہ Core Subject کے ساتھ ساتھ اپنی پسند کا کوئی بھی ایک Elective Subject بھی پڑھ سکتا ہے۔ یونیورسٹی نے تقریباً چالیس Elective Subjects کا آپشن رکھا ہے۔

سی سی ایس یو کا تعلیمی معیار لگاتار بڑھ رہا ہے۔ کیمسٹری، فزکس، زولوجی جیسے شعبوں نے بلغاریہ، کوریا، اٹلی، ہنگری اور امریکہ کی کئی یونیورسٹیوں سے معاہدہ کیا ہے جو کہ طالب علموں کی اکیڈمک کاوشوں کو غیر ملکی سطح پر لے جاتا ہے۔

کھیل میں بھی آگے

سی سی ایس یو کھیل کود کے معاملے میں بھی آگے رہی ہے۔ خاص طور پر کشتی میں ارجن ایوارڈ جیتنے والی الکا تومر سمیت چوبیس سے زائد بین الاقوامی سطح کی خواتین اس امر کا بین ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کیمپس میں بیڈمینٹن، فٹ بال، کرکٹ، یوگا سینٹر کے علاوہ ایتھلیٹک کا ٹریک بھی ہے۔

لائبریری و ہاسٹل

کیمپس کی راجا رام موہن رائے سینٹرل لائبریری چوبیس گھنٹے اور ہفتہ کے ساتوں دن کھلتی ہے۔ ای بک اور ای ریسورس سینٹر بھی ہیں۔ اس لائبریری میں 67 ہزار ای بکس، 56 ہزار سے زائد ٹیکسٹ بکس، 17 لاکھ سے زائد ریسرچ پیپر اور 14 ہزار سے زائد کتابیں ہیں۔ مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کرنے والوں کے لئے الگ انتظام ہے۔ کیمپس میں وائی فائی کیفیٹیریا بھی ہے۔

ایسے طلبہ و طالبات جو دوسرے شہروں سے آکر کیمپس میں پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے ہاسٹل کا انتظام بھی ہے۔ کیمپس میں طلباء کے لئے سات اور طالبات کے لئے دو ہاسٹل ہیں۔ اس کے علاوہ پاور بیک اپ اور وائی فائی کا انتظام سبھی ہاسٹل میں موجود ہے۔

کالج جو یونیورسٹی سے کم نہیں

یونیورسٹی سے کل آٹھ سو کالجز منسلک ہیں۔ کالجز کے معاملے میں یونیورسٹی صوبے میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ان میں میرٹھ کالج اور آر جی کالج کا نام سب سے اوپر ہے۔ دونوں ہی انگریزوں کے زمانے کے مشہور کالج ہیں۔

میرٹھ کالج پہلے کلکتہ اور آگرہ یونیورسٹی سے منسلک تھا، بعد میں سی سی ایس یو سے جڑا۔ تقریباً سوا ایکڑ زمین پر پھیلا یہ کالج شمالی ہند کا مقبول ترین اے گریڈ کالج ہے۔ یو جی، پی جی، ایل ایل بی اور ایل ایل ایم سمیت دیگر کورسز بھی چل رہے ہیں۔ سابق وزیر اعظم چودھری چرن سنگھ یہیں سے پڑھ کر نکلے تھے۔ طلبہ و طالبات دونوں کے لئے ہاسٹل کا انتظام بھی ہے۔

آر جی کالج صوبے کا مشہور گرلز کالج ہے۔ آرٹ، سائنس اور کامرس میں یو جی اور پی جی کورسز کے علاوہ کئی ووکیشنل کورسز بھی چل رہے ہیں۔ لگاتار اے گریڈ حاصل کرنے والے اس کالج میں طالبات کے لئے ہاسٹل کا اعلیٰ ترین انتظام ہے۔

اساتذہ اور طلبہ قدیم، جن پر فخر ہے

پروفیسر وائی وملا: نباتیات یعنی Botany کی پروفیسر ہیں جنہیں سال 2012 میں لندن سے فیلوشپ ملی تھی۔

پروفیسر پی کے مشرا: شعبہ تعلیمات میں پروفیسر ہیں۔ سال 2013 میں کامن ویلتھ اکادمی فیلوشپ انگلینڈ اور جرمنی یونیورسٹی کی طرف سے مل چکی ہے۔

پروفیسر آر کے سونی: کیمسٹری شعبے میں پروفیسر ہیں۔ انڈین سائنس کانگریس ایسوسی ایشن کشمیر یونیورسٹی میں سال 2014 میں ایوارڈ مل چکا ہے۔

یونیورسٹی کے سابق طلباء میں کئی بڑے نام ہیں جنہوں نے یونیورسٹی کا پرچم پوری دنیا میں لہرایا۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق شیخ الجامعہ ڈاکٹر ایس بی نمسے، سینٹرل یونیورسٹی پنجاب کے شیخ الجامعہ پروفیسر آر کے کوہلی، کناڈا کی لاوالا یونیورسٹی کی سائنسداں ڈاکٹر ارچنا اور خود سی سی ایس یو کے موجودہ شیخ الجامعہ جناب این کے تنیجا یہاں کے سابق طلب علم رہ چکے ہیں۔

ایسے وقت میں جب پرائیویٹ کالجز اور یونیورسٹیز اپنا دبدبہ قائم کرنے کی دوڑ میں لگی ہوئی ہیں، سی سی ایس یو طلبہ و طالبات کو مناسب خرچ میں بہتر تعلیمی ماحول فراہم کر رہا ہے۔ علم حاصل کرنے کی قدیم ترین خواہش کو پورا کرنے اور جدید دور کی زندگی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لئے نوجوان نسل کو تیار کرتا ایک خوبصورت ادارہ آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنی باہیں پھیلائے کھڑا ہے۔ نوجوان نسل سے آج وقت کی مانگ یہی ہے کہ وہ تعلیمی میدان میں آگے بڑھ کر معاشرے کی تشکیل نو کیلئے کوشاں ہوں۔ یونیورسٹی کے متعلق مزید معلومات اس کی ویب سائٹ www.ccsuniversity.ac.in سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

مسلمانوں کی صورتحال۔ لمحہ فکر

عرشیہ آفاقی

سال رواں عالم اسلام کیلئے بڑا دردناک رہا، ترکی میں بغاوت، یمن اور عراق، مصر کے حالات، برما کے مسلمانوں کی مظلومیت کی داستانیں، شام میں موت کا ننگا ناچ، انسانیت روتی رہی تڑپتی رہی۔

شام میں کھنڈر میں تبدیل ہوتے خوبصورت شہر، اس افراتفری میں بھی اللہ کی عبادت کرتے لوگ، دھول میں اٹے ہوئے ملبے میں دبے دھسے پھول جیسے چہرے بم کے دھماکوں میں تلاوت کرتے قرآن کو تھامے ہوئے نوجوان۔۔۔۔ یہ سب دیکھ کر دل روتا رہا، دماغ جھنجھناتا رہا۔

حق و باطل کی جنگ ازل سے ہے ابد تک رہے گی۔ ان سارے حالات میں جو پہلو تشویشناک رہا وہ عالم اسلام کی بے حسی ہے۔ وحدت اسلامی کا جو تصور قرآن ہمیں دیتا ہے امت مسلمہ اس کی نفی کرتی نظر آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ایک جسم واحد کی طرح ہو، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جسم کا ایک حصہ کٹا پھٹا ہو، لہولہان ہو جسم کے دوسرے حصے اس تکلیف کو محسوس نہ کر پائیں۔ ضرور میرا جسم بیمار ہے اور اسے علاج کی ضرورت ہے قوم کی بیٹیاں اپنی عصمتوں کو بچاتی ہوئی قوم کو للکارتی رہی مدد کیلئے بلاتی رہیں اور قوم کی کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ معصوم بچے بلکتے ہوئے ملبے سے اپنی ماؤں کو تلاش کرتے رہے بقول شاعر ہم سے کوئی پوچھے کہ مفہوم قیامت کیا ہے؟ زخمی لوگ سوال کرتے رہے کہ امت مسلمہ کہاں ہیں؟ امت مسلمہ کے سب افراد دنیا کی اونچی عمارتوں کے ذریعہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہے ہیں، مسجدوں کی تزئین میں مشغول ہیں ظاہر ہے اللہ کو حساب دینا ہے کہ مال کہاں کھپایا؟

دل تو اس بات پر کٹتا ہے کہ کئی مسلمان اس بات سے بالکل انجان ہے کہ برما کے مسلمانوں کے کیا مسائل ہیں، شام میں مرنے اور مارنے والا ایک ہی ہے روہنگیا مسلمانوں کی بقا کو کس قسم کا خطرہ لاحق ہے، فلسطینی مجاہدین کیسی خوشی میں آگے بڑھ بڑھ کر جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس دنیا کی مصروفیات خواہشات کے ہجوم میں نا تاریخ یاد رہی نہ مستقبل کے خطروں کا احساس رہا۔ جہاں تک مسلمانانِ ہند کی بات ہے جو مسلمان حکمران ہیں اُنھیں حکومتوں کے چھن جانے کے ڈر نے خوشامد کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ کب بہادری کی جگہ بزدلی نے لے لی پتہ ہی نہیں چلا۔ خواہشات کے ہجوم میں نا تاریخ یاد رہی نا مستقبل کے خطروں کا احساس رہا۔ خود ہندوستانی مسلمان بھی خطرات کی زد میں ہیں ہندوستان میں مسلمانوں کے تشخص پر سوال کھڑا کرنا، مذہبی معاملات میں حکومت کا عمل دخل غرض کہ مسلمانوں کو گھیرنے کی پوری تیاری نظر آتی ہے۔ ان حالات میں بھی ناعاقبت اندیش مسلمانوں کی ساری توجہ خود کے اپنے معاشی مسائل کی طرف ہے جس میں وہ ہزار ہاتھ پیر مارنے کے باوجود کوئی صحیح حکمتِ عملی نہ ہونے کی وجہ سے وہیں کے وہیں نظر آتا ہے۔

ہماری معیشت کو بہتر بنانے کے لئے اس وقت کی اشد ضرورت قوم کو خود مکتفی بنانا ہے اور یہ علم و ہنر کے بغیر ممکن نہیں ہے تعلیم کے ذریعہ ہی ترقی کے زینے چڑھا جا سکتا ہے۔ تعلیم کی کمی یا پھر محنت سے جی چرانا سمجھ لیجئے، ہمارے نوجوانوں نے چھوٹے کاموں کو اپنی پہنچ سمجھ لیا ہے بے شک پیشہ چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا لیکن کچھ پیشے کے مضر اثرات بھی ہوتے ہیں جس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں قدم قدم پر پُرشکوہ تاریخی عمارتیں جو اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں ہمارے زوال کی داستانیں سناتے ہیں، ان کھنڈرات کی دیکھ بھال میں تک ہندو مسلم فرقہ پرستی کا زہر گُھل چکا ہے یہ صرف حکومت کی آمدنی کا ذریعہ اور ہم مسلمانوں کے لئے سامانِ عبرت ہیں۔ ہندوستانی مسلم حکمرانوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے میدان میں بہت کام کیا ہے لیکن ان حکمرانوں نے دور اندیشی سے کام نہیں لیا قوم کو علم و ہنر سے آراستہ کر کے ان کے قدموں کو جمانے میں مدد کے بجائے نشانیوں کو چھوڑنے میں دلچسپی بتائی اور جو تھوڑا ہمارے لئے چھوڑا افسوس کہ ہم سے سنبھالا نہ گیا۔ ان حالات میں بھی اپنے آپ کو مظلوم سمجھ کر سیاحت کے شوقین ایک مسخرے کو ہی اللہ کا عذاب سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ یاد آتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ اُن کا احساسِ مظلومیت ہے۔ جس میں وہ نقصان اُٹھاتے ہیں۔

اُس مردِ مجاہد صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ یاد آتا ہے کہ مجھے یہودیوں سے ڈر نہیں لگتا، مجھے ڈر حرم کے پاسبانوں سے ہے جو شراب کے مٹکوں میں ڈوب چکے ہیں اور عورتیں اُن کے پاؤں کی زنجیریں بن چکی ہیں۔ تاریخ کے جھروکے میں نظر ڈالیں تو ظالم ڈاکو ہلاکو خاں کا وہ طنزیہ جملہ یاد آتا ہے جب خلیفہ معتصم باللہ گرفتار کر کے ہلاکو خان کے سامنے لائے جاتے ہیں، ہلاکو خاں طشتری میں ہیرے جواہرات رکھ کر خلیفہ کو کھانے کیلئے پیش کرتا ہے خلیفہ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیسے کھا سکتے ہیں تب وہ بدنام زمانہ ڈاکو ہلاکو خاں خلیفہ سے سوال کرتا ہے کہ جب کھا نہیں سکتے تو جمع کر کے کیوں رکھا تم نے اور محلوں کی جالیوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ کاش تم نے اس لوہے کو محل کی جالیوں کے بجائے تلواروں میں ڈھالا ہوتا اور اسے اپنے سپاہیوں کو سونپا ہوتا تو آج تمہارے سپاہی ہمیں ناکوں چنے چبوا دیتے یہ وہ عبرت ناک واقعہ ہے جس سے امت مسلمہ کے افراد کو سبق لینا چاہیے۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ تاریخ میں زندہ قومیں اپنی غیرت کی بناء پر تاریخ میں جگہ بناتی رہیں اور دنیا کو اپنی عزت کرنے پر مجبور کرواتی رہی ہیں۔ جس قوم کو اللہ نے گھوڑے بندھے رکھنے کا حکم دیا ہے وہ قوم خوابِ غفلت میں مدہوش پڑی ہوئی ہے۔

بحیثیت مسلمان کیا ہمیں قرآن کے واقعات پر غور نہیں کرنا چاہیے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر پانی میں بہانا، دشمن کے گود بھیج کر موسیٰ علیہ السلام کی تربیت، طوفان سے پہلے نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دینا اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ایک مسلمان کو تقدیر پر یقین کے ساتھ ساتھ حسن تدبیر جیسے ہتھیار سے بھی لیس ہونا ہوگا۔ خطرے کو دیکھ کر شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپانے سے خطرہ ٹل نہیں جائے گا، ان خطرات کا سد باب ضروری ہے کیا کوئی اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ یہ ہمارے ساتھ نہیں ہوگا؟ دشمن مسلم ممالک کو تباہ و برباد کرتے جارہا ہے اور امت مسلمہ خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ کوئی مجھے بتائے کہ کیا میرا خونِ مسلم اتنا ارزاں ہے کہ گلیوں میں وہ پانی کی طرح بہے اور کوئی قاتل کا گریبان پکڑنے والا تک نہ ہو!! میرے پیچھے میرا کوئی وارث محاسبہ کیلئے کھڑا تک نہ ہو۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلعم نے فرمایا کہ لوگ جب ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، خاموش رہیں یا اس سے تعاون کریں تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنا ہمہ گیر عذاب ان پر مسلط کردیتا ہے۔

کیا امت مسلمہ ایک چھوٹی سی چڑیا سے بھی گئی گزری ہے جو اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کو اپنے گھونسلے کی طرف بڑھتا دیکھ کر دشمن پر بڑھتی جھپٹتی ہے اور اپنوں کو بچانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے اور دشمن کو یہ پیغام دیتی ہے کہ میں یہ لقمۂ تر نہیں ہوں جسے تم آسانی سے نگل جاؤ۔ میرے خیال میں وہ وقت آگیا ہے کہ امت مسلمہ ہوش کے ناخن لے ہم نے فرض منصبی سے غفلت برتی اور اللہ نے ہمارے وجود کو بے وزن کردیا وقت کا تقاضا ہے کہ جو صاحب حیثیت مسلمان ہیں وہ آگے آئیں اور قوم کے نونہالوں کی تعلیم کی ذمہ داری اُٹھائیں، قوم کے نوجوانوں میں اعتماد کو بحال کریں، بجائے مایوسی کے ان حالات کے رُخ کو موڑ کر زندگی جینے کی ترغیب دی جائے۔ تمام مسلمان اپنے مصروفیات میں سے اپنے پریشان بھائیوں کیلئے وقت نکالے ان کو انصاف دلانے کے لئے احتجاج کریں اور یہ ہر سطح پر ہو ملکی سطح پر، ریاستی سطح پر ہو کہ مقامی سطح پر ہو تہجد میں دعاؤں کے ذریعے انکی مدد کی جائے۔ قنوت نازلہ کو ہتھیار بنائیں اور بنیان مرصوص بنتے ہوئے اپنے سب سے بڑے مقابل کی معیشت پر وار کریں، دشمن کی مصنوعات کا ہمیں بائیکاٹ کرنا ہے اور گھر گھر یہ پیغام عام پہنچے کہ جو ان مصنوعات کو خریدے گا وہ اپنے بھائی کی موت کا سامان کرے گا۔ حضور اکرم صلعم فرماتے ہیں کہ جو اپنے بھائی کی آبرو کی حفاظت کیلئے اسکی طرف سے مدافعت کرتا ہے تو اللہ پر لازمی طور پر یہ حق ہوجاتا ہے کہ وہ قیامت کے روز جہنم کی آگ کو اس سے ہٹا کر اسکی حفاظت فرمائے گا۔

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا!!

گزشتہ ماہ جب UPSC کے نتائج آئے تو جہاں پر کامیاب مسلم طلبا و طالبات کی اچھی تعداد سرخیوں کی زینت بنی وہیں دوسری طرف JNU کی ایک مسلم طالبہ ام الخیر کا نام بھی Electronic اور Social Media پر چھایا رہا۔ ملک کے سب سے باوقار امتحان (UPSC) میں 'ام الخیر' کی حقیقی آپ بیتی کسی دیومالائی قصہ یا کسی فلم کی کہانی کی طرح معلوم ہوتی ہے کیونکہ جن مشکلات ومسائل کا مقابلہ ام الخیر نے جس عزم وحوصلہ، سخت محنت ولگن کے ساتھ کیا وہ قابل رشک و قابل تقلید ہے۔

راجستھان کے گاؤں ''پالی'' میں بچپن گذارنے والی ''ام الخیر'' کی یہ کہانی دہلی کی ''جواہر لال نہرو یونیورسٹی'' سے ہوتی ہوئی سیول سروسیس امتحان میں کامیابی جاری رہی۔ ام الخیر کے اس کٹھن سفر کے کچھ گوشوں کو ذیل کے سطور میں پیش کیا جارہا ہے۔

1) ام الخیر نے غریبی وتنگ دستی کے ماحول میں اپنا یہ سفر طے کیا۔ وہ بتاتی ہیں کہ جب وہ لوگ راجستھان سے دہلی' شفٹ ہوئے تب 'حضرت نظام الدین' کے پاس ایک جھگی جھونپڑی میں رہنے لگے۔ جس میں بارش کی وجہ سے پانی ٹپکنے لگتا تھا۔ یہ معاشی مسئلہ (financial Problem) اس وقت شدید تر ہوگیا جب آٹھویں کلاس سے گھر والوں نے انہیں تعلیم کو جاری رکھنے کی وجہ سے معاشی سہارا (financial support) دینے سے انکار کردیا ان حالات سے نمٹنے کے لئے ام الخیر نے آٹھویں کلاس سے ہی بچوں کو گھر پر ٹیوشن پڑھانا شروع کردیا۔ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ 6 تا 8 گھنٹے (50 روپئے فی طالب علم) ٹیوشن پڑھا کر اپنا خرچ نکالا کرتی تھی۔ بہتر تعلیمی مظاہرہ کرنے پر انہیں چیارٹیبل ٹرسٹ کی جانب سے میرٹ کی بنیاد پر اسکالرشپ دیا گیا جس کے ذریعہ وہ آگے اپنی تعلیم کو جاری رکھ پائی۔ اس طرح ام الخیر نے غربت' معاشی خستہ حالی' تنگ دستی کو اپنے مقصد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا!!۔

2) ام الخیر کی یہ کہانی کا ایک دردناک پہلو یہ بھی رہا کہ ام الخیر کو اپنے سماج و خاندان سے اخلاقی ہمدردی بھی حاصل نہ ہوسکی۔ وہ ایسے سماج میں پلی بڑھی جہاں لڑکیوں کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ام الخیر کی والدہ کا 2003ء میں جب وہ آٹھویں کلاس میں تھی' تب ہی انتقال ہوگیا۔ 2004ء میں ام الخیر نے سوتیلی ماں کا گھر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ تعلیم ترک کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ وہ بتاتی ہیں کہ جب وہ ساتویں کلاس مکمل کرچکی تب گھر والوں نے اس سے کہا کہ سلائی سیکھ لو اور وہ راجستھان واپس بھیجنے پر اصرار کرنے لگے تب ام الخیر نے تعلیم کی خاطر ترلوک پوری علاقہ میں کرایہ کا مکان لے کر رہنے لگی اور اپنا خرچہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر ادا کرنے لگی۔ اس طرح ام الخیر نے سماج و خاندان کے نفسیاتی و اخلاقی سہارے (Moral Support) کے بغیر ہی اپنا راستہ طے کیا!!۔

3) ام الخیر نے غریبی' خاندان کی سرپرستی سے محرومی' غیر تعلیمی و پسماندہ ماحول کی گھٹن کے ساتھ ایک بڑی چیلنج کا بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا وہ تھا Physical Disability کا چیلنج ام الخیر بچپن میں ہی نہ صرف ہڈیوں کے گھلنے یا خطرناک حد تک کمزور ہونے کی بیماری کا شکار ہوگئی تھی بلکہ اضافی طور پر اس کا قد بھی انتہائی کم نکلا انگریزی میں ایسے لوگوں کو Dwraf یعنی بونا کہتے ہیں۔ ام الخیر 17 فریکچرس سے متاثر ہے اور اب تک 7 Surgeries سرجیریز ہوچکی ہیں۔ گو کہ اس کا رینک 420 ہے تاہم معذوری کے زمرہ میں وہ میرٹ میں سب سے اوپر ہے لہذا IAS کا زمرہ ملنا طے ہے۔ اس طرح ام الخیر نے جسمانی معذور (physical Disablty) کو بھی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا!!

ام الخیر کی یہ کہانی نہ صرف مسلم لڑکیوں کے لئے بلکہ تمام طلبہ کے لئے جو زندگی میں اعلیٰ مقاصد و بلند منازل طے کرنا چاہتے ہیں ایک مشعل راہ ہے اور یہ پیغام دیتی ہے کہ ؎

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا
کہ بجلی گرتے گرتے آپ خود بے زار ہوجائے !!

منسٹری آف اٹموسٹ ہیپی نیس

Ministry of utmost happiness

ارون دھتی رائے

مبصر: لئیق احمد

ارون دھتی رائے کی ''گاڈ آف اسمال تھنگس'' کے بیس سال بعد آئی ناول ''منسٹری آف اٹموسٹ ہیپی نیس(Ministry of utmost happiness)'' ایک ایسی فکشن ناول ہے جسے بڑے پیمانے پر سراہا گیا۔رائے کے لئے یہ بڑا چیلنج تھا کہ ان کی آنے والی کتاب ،خود ان ہی کی پہلی کتاب جو بوکر Booker Prize ایوارڈ یافتہ ہے،اس جیسی یا اس سے بہتر ہو۔اور اس میں وہ کامیاب رہیں۔اس ناول کا ہر لفظ اور ہر سطر ایک کے بعد ایک انوکھے دلکش اور دلفریب انداز میں لکھا گیا ہے۔زبان کی عمدگی اور زور قلم ہر سطر میں ویسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے رائے کی اور بہت سی کاوشوں میں نظر آتا ہے۔

اہم بات یہ ہیکہ اس کتاب میں کچھ واقعات یا افسانہ نگاری ہی نہیں ہے بلکہ سیاسی ،سماجی اور ملک کی مجموعی صورتحال کو سمیٹتے ہوئے اسے ،بہت ہی عام انداز میں بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

رائے نے پچھلے بیس برسوں میں خود کو متحرک رکھتے ہوئے مختلف موضوعات جیسے کہ مسئلہ کشمیر، ہندو نیشنلزم ،ذات پات کا نظام ،ایکولوجکل چیلنجس ،اقلیتوں میں حقوق نسواں وغیرہ پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ۔یہی کچھ چیزیں اس ناول میں نظر آتی ہیں۔رائے نے اپنی دوسری کتابوں میں جمہوریت ،سرمایہ دارانہ نظام ،گلوبلائیزیشن وغیرہ پر بھی بے لاگ تجزیہ کیا ہے۔

اس ناول کی شروعات بہت ہی انٹرسٹنگ کیریکٹر ''انجم'' سے ہوتی ہے اور اس کردار کے گرد گھومتے ہوئے ،خوابگاہ سے گزرتے ہوئے اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔انجم کی پوری زندگی سماج میں موجود بے جا روایات کی نذر ہو جاتی ہے۔اور اس کی بنیادی وجہ اس کا مخنث پیدا ہونا ہے ۔ ہمارے سماج میں کچھ لوگ انھیں مقدس مانتے ہیں جبکہ کچھ انتہائی حقیر سمجھتے ہیں۔انجم ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی جہاں پہلے سے پانچ بیٹیاں موجود تھیں اور اب ماں باپ کو بیٹے کی تمنا تھی۔انجم کی ماں نے چودہ سال تک اس راز کو چھپا کر اسے آفتاب بنائے رکھا۔مگر چودہ سال بعد وہ بالآخر انجم بن جاتی ہے۔ایک طویل عرصے کشمکش کی زندگی گزارنے کے بعد وہ زیارت کے لئے گجرات پہنچ جاتی ہے لیکن وہاں بھی فسادات کا شکار ہو جاتی ہے۔اس ناول کے ذریعے رائے نے ۲۰۰۲ کے گجرات فسادات کی عکاسی کرنے کی کوشش کی ہے۔دہلی سے گجرات تک کا پورا سفر انجم نے اس ذہنی حالت میں طے کیا کہ جیسے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تنازعہ ،دوجنسوں کے درمیان تنازعہ کے برابر تھا۔وہ اپنے ہی ملک میں پناہ گزیں کے طور پر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے یا کر دی جاتی ہے۔اسطرح رائے نے اپنے سیاسی ناول میں ملک کے موجودہ حالات کی وضح عکاسی کی ہے۔

دوسری طرف اس عورت کا کردار ہے جس کا نام ٹیلو ہے۔جو کیرالا کی رہنے والی تھی۔اپنے عشق کے نتیجے میں کشمیر پہنچ جاتی ہے۔اور وہاں اپنے مردہ عاشق کی قبر پر چکر لگاتی ہے۔یہ نوجوان موسیٰ کشمیر کے ایک مسلم گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔اور ان کا عشق بھی سماج اور زمانے کی فرسودہ روایات کے نذر ہو جاتا ہے۔

انجم اور ٹیلو مختلف حالات سے گزرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچتی ہیں، جہاں دونوں کے کردار ایک جیسے نظر آتے ہیں۔انجم اپنے گھر سے بھاگ کر ایک خوابگاہ کا رخ کرتی ہے۔اور مغل اعظم کے گانوں سے خود کو تسکین پہنچا کر اپنے ہی ملک میں پناہ گزین بن کر فسادات کی وکٹم بن جاتی ہے۔دوسری جانب ٹیلو اپنے مسلم عاشق کے عشق میں خوار ہو کر کشمیر جا پہنچتی ہے۔

رائے ان دو واقعات کے ذریعے موجودہ ہند ۔پاکستان کے درمیان مسئلہ کشمیر اور وقتاً فوقتاً ہندوستان میں ہونے والے فسادات ،۲۰۰۲ کے گجرات فسادات ، ۱۹۸۴ میں سکھوں کے بے رحمانہ قتل ،نربدا ڈیم آندولن ،ہاشم پور قتل عام ،بھوپال گیس سانحہ اور انڈرسن کا فرار وغیرہ اہم مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ موجودہ سیاسی اور سماجی غلطیاں selective پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔اور یہ جمہوریت ،سرمایہ دارانہ نظام اور گلوبلائیزیشن کے پیش نظر بنتی ہیں۔

گئو رکشک

چنومیاں بہت ہی شریف اور معصوم انسان تھے۔کسی سے لڑائی جھگڑا تو دور کبھی بحث تک نہ کرتے۔اپنی کفایتی زندگی میں بہت خوش تھے ایک کھیت تھا جو آباو اجداد سے وراثت میں ملا تھا اور ایک گائے جسے بچپن سے اپنے بچے کی طرح پال پوس کر بڑا کیا تھا۔وہ اپنی اس گائے سے بہت پیار کرتے تھے اور پیار سے اسے منی بیگم پکارا کرتے تھے۔گائے تھی بھی بہت خوش رنگ اور خوبصورت، چنومیاں گھر پر ہوتے تو گائے کے تیور ہی بدل جاتے۔یہ دونوں انسان اور جانور کی محبت کی مثال تھے۔

ایک بار چنومیاں اپنی منی بیگم کو ہری ہری گھانس کھلا رہے تھے کہ اچانک شور سنائی دیا۔گئو ماتا کی جئے گئو ماتا کی جئے اور کچھ ہٹے کٹے نوجوان ہاتھ میں لٹ اور کچھ بھالے لئے ماتھے پر زعفرانی پٹی باندھے چنومیاں کے گھر میں گھس گئے۔آنکھیں اتنی لال تھی جیسے خون اتر آیا ہو۔ان میں سے ایک نوجوان نے جو چنومیاں کے ہی گاؤں کا رہنے والا تھا کہنے لگا کہ اس مُلّے نے گئو میّاں کو کئی سالوں سے یہاں قید کر رکھا ہے۔اس کی یہ بات سن کر دوسرے نوجوان بول اٹھے،آج ہم گیّا ماں کو آزاد کروا کر رہیں گے۔چاہے اس کے لئے ہمیں اپنی جان دینی پڑے یا کسی کی جان لینی پڑے۔چنومیاں کے تو جیسے طوطے اڑ گئے۔

پسینے میں شرابور اکھڑی اکھڑی زبان سے کہنے لگے بھائیوں یہ گائے ہی میری ساری جمع پونجی ہے۔میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں اور یہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔یقین نہ آتا ہو تو اسی سے پوچھ لو۔گائے بھی ہاں میں سر ہلانے لگی۔لیکن پیار اور محبت کی بھاشا یہ آتنک پھیلانے والے کیا سمجھے۔ "بس بہت ہوا" ان میں کا ایک نوجوان بول اٹھا اور گائے کی رسی کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔چنومیاں ساری ہمت جٹا کر اپنی منی بیگم کو بچانے آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک دوسرے گئو رکشک آتنکی نے چنو میاں کے سر پر ڈنڈے سے وار کر دیا۔ سر سے بے انتہا خون رسنے لگا۔چنومیاں حواس باختہ ہو گئے۔زندگی میں کبھی خون نہیں دیکھا تھا چنوں میاں کے سر سے خون نکلتا دیکھ بے زبان گائے نے رسی چھڑا کر اُن آتنک وادیوں پر حملہ کر دیا۔کسی کو لات ماری تو کسی کو سنگ۔وہ سارے مُشتنڈے یہاں سے وہاں بھاگنے لگے اور گائے کو قابو میں کرنے کی کوشش بھی کرنے لگے۔آخر کار ان میں سے ایک گئو رکشک نے اپنی کمر سے ریوالور نکالی اور گائے کو گولی ماردی۔۔۔ گاؤں والے کھڑے سوچتے رہ گئے کہ آخر گئو رکشک کون ہیں؟ چنومیاں یا وہ آتنک وادی۔

شیخ عبدالغنی

نعت

ذہن آقا کا گھر آنکھ طیبہ نگر
دل ہے غارِ حرا دارِ ارقم جگر
میری رگ رگ میں یادیں تری جلوہ گر
میرے خیر البشر میرے خیر البشر

اٹھے طوفاں کوئی آئے شیطاں کوئی
چھین سکتا نہیں میرا ایماں کوئی
تیرے نقشِ قدم ہیں مرے راہبر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

بات کرنے کو جب کھلتے آقا کے لب
دانتوں کے بیچ سے پھوٹتا نور تب
جامع الفاظ میں گفتگو با اثر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

بارشِ سنگ میں اور کہیں جنگ میں
شعبِ طالب کی بھی وادیِ تنگ میں
دکھ اٹھائے لہو میں ہوئے تر بتر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

دن خزاں کے ٹلیں اب بہاریں ملیں
تیرے دیدار کے پھول آقا کھلیں
موسمِ خواب میں آنکھوں کی شاخ پر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

شیشہ و عکس سا یہ تعلق لگا
جس نے دیکھا تجھے گویا قرآں پڑھا
اور تو قاری کو قرآں میں آیا نظر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

وہ اثاثہ ترا بھوکا پیاسا ترا
کٹ گیا حق کی خاطر نواسہ ترا
تیری ہی تربیت کا تھا اس پر اثر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

کہنے کو اے نبی ہے یہ امت تری
تجھ سی لیکن نہیں اس میں خو ایک بھی
ہار کا یہ نشاں تو نشانِ ظفر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

بن کے کاکوروی وارثِ وارثی
یہ نبیل اب یونہی نعت لکھے تری
تیرے صدقے ہو فن اس کا بھی معتبر
میرے خیرالبشر میرے خیرالبشر

انس نبیل۔آکولہ

اس کالم کے تحت ہر ماہ قارئین رفیق کے منتخب سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی جائے گی۔ای میل کے علاوہ اپنے سوالات بذریعہ وہاٹس اپ (اس نمبر پر 9673022736) بھیج سکتے ہیں۔

سوال: اسلام میں زنا بالجبر سے متاثرہ خاتون کی کیا حیثیت ہے؟ سماجی اعتبار سے اس عورت کا کیا مقام ہے؟ کیا ایسی عورت شادی شدہ ہو تو اس کو حمل موجود ہونے یا نہ ہونے کا تیقّن ملنے تک اپنے شوہر سے جنسی تعلق سے اعراض کرنا ہوگا؟ اگر ایسی عورت غیر شادی شدہ ہو تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ اگر ایسی عورت کو حمل ٹھہر جائے تو کیا اس کا اسقاط جائز ہوگا؟ اگر ایسی اولاد پیدا ہو جائے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟

جواب: کسی عورت سے زنا بالجبر کیا جائے، اس میں اس مرضی شامل نہ ہو تو اسے پاک دامن سمجھا جائے گا اور اسی حیثیت میں اس سے معاملات کیے جائیں گے۔ظاہر ہے، اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے، بلکہ وہ تو مظلوم ہے، اس کے ساتھ جنسی زیادتی کی گئی ہے، اس لیے وہ ہمدردی اور تعاون کی مستحق ہے۔عموماً سماج میں ایسی عورت کو گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس سے رشتہ کرنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ درست رویہ نہیں ہے۔

اگر زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت شادی شدہ ہے تو اس سے اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔وہ اپنے شوہر سے معمول کے تعلقات رکھے گی۔حمل ہونے یا نہ ہونے کا تیقّن ہونے تک اس کے لیے شوہر سے دور رہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر استقرار حمل ہو جائے تو اولاد شوہر ہی کی سمجھی جائے گی۔(بخاری: ۲۰۵۳). اگر زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت غیر شادی شدہ ہے اور اسے استقرار حمل ہو جائے تو کیا اس کا اسقاط جائز ہوگا؟ اس سلسلے میں فقہاء نے جائز حمل اور ناجائز حمل کے درمیان کچھ فرق نہیں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک سو بیس دن (جو روح پھونکے جانے کی مدت ہے) کے بعد اسقاط عام حالات میں جائز نہیں۔ اس سے قبل اسقاط کو احناف، شوافع اور بعض حنابلہ جائز قرار دیتے ہیں۔ مالکیہ کسی صورت میں اسقاط کی اجازت نہیں دیتے۔

زنا بالجبر سے ہونے والی اولاد کی کفالت کی ذمہ داری ماں پر ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ایسا بچہ یتیم کے حکم میں ہے اور اس پر یتیم کے احکام نافذ ہوں گے۔ جو صورتیں یتیم کی کفالت کے لیے اختیار کی جاتی ہیں وہی اس کے معاملے میں بھی کی جائیں گی۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

دل یا شکم

سوال: میرے والدین ایس آئی او کی سرگرمیوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔وہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی تعلیم حاصل کرو، بعد میں جب کچھ بن جاؤ تو پھر دین کی خدمت کرنا! میں جب بھی گھر میں بیٹھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ دیگر وابستگان سرگرمیوں میں مصروف ہیں تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔لیکن جب بھی والدین اوپر درج دلیل دیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ گھر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ براہ کرم اس سے متعلق رہنمائی فرمائیں۔

ذی احمد، پنویل

جواب: دین کی خدمت کا کام کسی خاص عمر کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یہ کام ہر ذی شعور پر زندگی کے ہر مرحلہ میں لازم آتا ہے۔ ایک انسان کی مجموعی زندگی کے کئی ادوار ہوتے ہیں۔بچپن، جوانی، بڑھاپا وغیرہ۔ ہر دور کی دلچسپیاں، تقاضے، فتنے اور دین کی خدمت کے محاذ مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر جوانی میں حصول تعلیم اگر ضروری ہے تو ادھیڑ عمر میں یا بعد از شادی، حصول رزق بھی۔ اگر تعلیم کو دین کی خدمت سے دور رہنے کی بنیاد تسلیم کیا جائے گا تو پھر نوکری اور بزنس کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ رہ جاتا ہے صرف بڑھاپا، جس میں جسمانی کمزوریاں اور نئی نسل سے وابستگی وغیرہ عملاً کوئی خاص دین کی خدمت کرنے سے لوگوں کو محروم رکھتی ہے۔ اس لئے ہمیں نوجوانی کے سارے دور میں (۲۰ سے ۴۰ سال کی عمر) دین کی خدمت کرنے کی کوشش کرنا بے حد ضروری ہے۔ کسی خاص عہدہ، ذمہ داری یا سماجی مقام کے انتظار میں دین کی خدمت سے خود کو محروم رکھنا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ اسی طرح اس سے بڑی حماقت دین کی خدمت کو فرصت کے وقت کے انتظار میں مؤخر کر کے رکھنا ہے۔

والدین، اکثر دینی تربیت پائے ہوئے نہیں ہوتے ہیں۔ وگرنہ وہ اس قسم کی دلیلیں نہیں دیتے۔ اس لئے ان کو اُخروی فائدے بتانے چاہئیں۔ یہ بات ان کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ اولاد کو خدمت دین کا موقع عنایت کر کے وہ خدا کے کتنے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ ان کو یہ بتانا چاہئے کہ جنت میں ان والدین کو ایسے تاج پہنائے جائیں گے جو اوروں کے لئے باعث رشک ہوں گے۔ یہ تاج صرف ان کے لئے ہوں گے جن کی اولاد نے اچھے اعمال کئے ہوں گے۔ وسائل دنیا اور رزق کی جدوجہد ہر کسی کا مقدر ہے، بندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے تمام وسائل خدا کی راہ میں قربان کر دے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ حصول علم اور وہ بھی معیاری تعلیم اس وقت دین کی خدمت کا ایک بہت اہم محاذ ہے۔ تعلیم اور 'تنظیم' میں توازن کو برقرار رکھنا ایک مشکل کام ہے۔ لیکن، (مولانا مودودیؒ کی ایک مثال کو مستعار لیتے ہوئے،) جس طرح سائیکل چلانا سیکھتے وقت آپ کو بیک وقت کئی کام کرنے ہوتے ہیں، پیڈل مارنا، توازن قائم رکھنا، سمت کا درست رکھنا وغیرہ اسی طرح زندگی میں بھی اس قسم کے کام بیک وقت کرنے پڑتے ہیں۔ ابتداء میں ہر کام کو انجام دینا مشکل ہوتا ہے اور اسی لئے انسان گرتا ہے لیکن مسلسل مشق سے وہ بالآخر سیکھ ہی جاتا ہے۔

آخری بات کہ آپ اپنے دل کی سنیں، اس شرمندگی کے احساس کو زندہ رکھیں، خدمت دین کے کام کو اپنا حرز جاں بنالیں یہی اصل کامیابی ہے، یہی اصل سکون ہے، یہی نجات ہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!

مستجاب خاطر

خاص شخصیت

رفعت شاہ رخ

گذشتہ مہینے ۲۱ جون کو ایک تاریخ ساز کارنامہ انجام پایا، جس پر ہر ہندوستانی کو فخر ہے۔ اس دن دنیا کا سب سے چھوٹا سیٹلائٹ خلا میں روانہ کیا گیا اور اس سیٹلائٹ کو بنا کر تمل ناڈو کے ۱۸ سالہ رفعت شاہ رخ نے ایک تاریخ رقم کردی۔ رفعت شاہ رخ نے کلام سیٹ کے نام سے دنیا کا سب سے ہلکا سیٹلائٹ ایجاد کیا۔ اس سیٹلائٹ کا وزن صرف ۶۴ گرام ہے اور لمبائی چوڑائی صرف ۳ء۸ سینٹی میٹر ہے یعنی اس کو ہتھیلی میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح گویا عبقری صلاحیتوں کے حامل رفعت نے ہتھیلی میں سرسوں جمانے کا عظیم کارنامہ عملاً انجام دے دیا۔ کلام سیٹ کو ناسا نے اپنے مشن میں شامل کیا۔ یہ منفرد اعزاز حاصل کرنے والا رفعت پہلا ہندوستانی ہے۔ رفعت شاہ رخ نہ تو کوئی پیشہ ور خلائی سائنسداں ہے اور نہ انجینیر بلکہ ایک طالب علم ہے۔ رفعت کا دعویٰ ہے کہ وہ اس ایجاد کے ذریعے تھری ڈی پرنٹیڈ کاربن کی کارکردگی کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔

کلام سیٹ کو مدار کے ذیلی حصے کی پرواز پر چار گھنٹے کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس دوران اس ہلکے پھلکے سیٹلائٹ نے انتہائی کم قوت ثقل والے ماحول میں تقریباً ۱۲ منٹ تک اپنا کام کیا۔ اس میں نصب ایک نئے قسم کے کمپیوٹر اور آٹھ دیسی سینسرس کی مدد سے رفتار، گردش اور زمین کی کشش ثقل کی پیمائش کی گئی۔ اس سیٹلائٹ کا نام سابق صدر اور سائنسدان اے پی جے عبدالکلام کے نام پر رکھا گیا کیونکہ وہ بھی رفعت کی طرح مسلمان تھے۔ ان کا تعلق بھی تمل ناڈو سے تھا اور اس کو ناسا نے اسی ویلوپ جزیرے کی تجربہ گاہ سے خلاء میں چھوڑا جہاں ۶۰ء کی دہائی میں عبدالکلام نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ امریکی خلائی ایجنسی نے رفعت کے ڈیزائن کو کیوبز ان سپیس نامی عالمی مقابلے میں منتخب کیا جس کو آئیڈوڈل کمپنی کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا۔ کلام سیٹ رفعت شاہ رخ کی پہلی ایجاد نہیں ہے بلکہ ۱۵ سال کی عمر میں انھوں نے قومی سطح پر منعقد ہونے والے ایک مقابلے میں 'ہیلیم گیس' کی مدد سے موسم کا احوال جاننے والا غبارہ بنایا تھا۔

امت مسلمہ کے بظاہر تاریک مستقبل سے مایوس ہونے والوں کے لیے رفعت شاہ رخ امید کا روشن چراغ ہے۔

چل پڑیں تو خود منزل پاس آنے لگتی ہے
جب قدم نہیں اٹھتے راستہ نہیں ملتا

ڈاکٹر سلیم خان

خاص کتاب

Thirteen Reason Why

\- A Novel By Joy Asher

ایک امیریکن مصنف Joy Asher کی ۲۰۰۷ میں شائع ہوئی ناول ہے۔ جس کی کہانی ہائی اسکول میں پڑھنے والے Clay Iensen اور اسکی دوست Hannah Baker کے اردگرد گھومتی ہے۔ Hannah Baker وہ لڑکی ہے جو اپنے ساتھ پیش آنے والے حوصلہ شکن حالات سے تھک ہار کر خودکشی کر لیتی ہے۔ خودکشی کرنے سے پہلے وہ تمام تفصیلات ایک ٹیپ ریکارڈر میں ریکارڈ کر کے ایک ڈبے میں ان سب کو بھیجتی ہے جن کی وجہ سے اس نے خودکشی کی۔

ایک دن اسکول سے واپسی پہ Clay Iensen کو اپنے گھر کے برآمدے میں پارسل ملتا ہے جس پر اسکا نام درج ہوتا ہے۔ اس ٹیپ پر ہدایتی اصول دیے ہوئے ہیں کہ ہر کوئی جو یہ ٹیپ حاصل کریگا اسے پورا سننے کے بعد اس شخص کو دینا ہوگا جسکا نام اس لسٹ میں ہے۔ اور اگر کوئی اس اصول کو توڑے گا تو یہ سارے ٹیپ publicaly released کر دیے جائیں گے جس سے ظاہر ہے ان کی بدنامی ہوگی۔ ہر ایک ٹیپ میں ایک ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے جن کے رویوں کی وجہ سے اس نے اپنی زندگی ختم کردی۔ کیوں کی ان میں ہر ایک اسکی موت کا ذمہ دار ہے۔ اس ٹیپ کے ساتھ ایک ناموں کی لسٹ بھی ہوتی ہے۔ جب Clay سارے ٹیپ چلاتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اس لسٹ میں اسکا نام بھی ہے اور باقی لوگ بھی اسکی طرح Hannah کے کلاس فیلو ہیں۔ Clay یہ سب سننے کے بعد جذباتی طور پر شرمندہ ہوجاتا ہے کہ وہ Hannah کے تئیں اپنے خیالات اسے کیوں نہ بتا پایا۔ یہ کہانی ان ۱۳ ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے۔

ایمن شیخ

خاص بات

۱) روزآنہ کی زندگی میں ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خوشیاں ہمیں شکر گزار نہیں بناتی، بلکہ شکر گزار ہونا ہمیں خوشی دیتا ہے۔ ہماری زندگی میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ ایسا ہوتا رہتا ہے جس کے لیے ہمیں شکر گزار ہونا چاہیے۔

۲) صبر کسی چیز کو کھونے کے بعد مانگا جاتا ہے۔۔ ہمیشہ سکون مانگو، سکون حاصل کرنے کے لیے کسی چیز کو کھونا نہیں پڑتا۔

۳) تم لوگوں کے منہ بند نہیں کر سکتے، وہ جو چاہیں گے کہیں گے۔ پھر لوگو کے ذہنوں پر کسی کا کنٹرول نہیں ہوتا، اور بیوقوف لوگ اپنے ذہن پر کنٹرول کرنے کی بجائے لوگوں کے ذہن پر طاقت آزمائی شروع کر دیتے ہیں۔

اداروں کی زمرہ بندی تعلیمی معیار کو کم اور کورسز کو تجارتی بنا سکتی ہے: ایس آئی او

یو جی سی کے ذریعہ مقرر کردہ مسودہ کا نیا سیٹ کورسز کو تجارتی کرنے کے لئے پہلے زمرے میں آنے والے اداروں کے لئے راستہ تیار کرے گا۔ نیٹ یا سلیٹ یافتہ طلبہ کیوں کر کم گریڈ یا تیسرے زمرے کے اداروں میں تحقیق کرنا چاہیں گے، وہ ہمیشہ اعلی زمرے کے اداروں میں پڑھنا پسند کریں گے۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے کلاس میں اداروں کی درجہ بندی معیار کے خدشات کو حل نہیں کرے گی، حقیقت میں، یہ تعلیم کے معیار کو ہی ختم کردے گی۔

دیہات کے علاقوں میں واقع کالجوں میں تعلیم کی کیفیت کو بہتر بنائے بغیر ملک میں اعلی تعلیم کے معیار کو بہتر اور یقینی نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ یہ اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ این اے اے سی کا عمل اس مسئلے پر قابو پانے کے لئے آیا ہے۔ اس سے یقینی طور پر تعلیم کی کیفیت کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی اور ملک کی ترقی کے لئے غیر معمولی وسائل کو استعمال کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ یو جی سی کو اعلی تعلیم کا معیار برقرار رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ ایس آئی او یہ محسوس کرتی ہے کہ اعلی تعلیم کے معیار کو تبھی یقینی اور بہتر بنایا جا سکتا ہے جب تعلیم کے جدید طریقوں کے ساتھ تدریسی معیار کو مضبوط بنایا جائے۔ جسے یقینی بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً اداروں کے معیار اور عمل دونوں کا تجزیہ نہایت ضروری ہے ایسا لگتا ہے کہ ہم منسلک کالج کے نظام میں بہت زیادہ حد تک ناکام رہے ہیں ضرورت ہے کہ یو جی سی میں ماہرین کے ایک مستقل گروپ کو قائم کیا جائے جو کہ مطالعہ اور تحقیق میں ابھرتے ہوئے علاقوں کی شناخت کر سکیں

اس پیچیدہ صورت حال میں تعلیمی اداروں کی کیفیت کا جائزہ لینا بہت مشکل ہے جہاں قائم کردہ تعلیمی ادارے طے شدہ مقاصد کے ساتھ طلبہ کو تیار کر رہے ہیں تعلیم میں معیار اور مساوات کے مسائل کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے ہندوستان میں ابتدا سے ہی نظام کے اندر عدم مساوات کو تعمیر کیا گیا تھا یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پیش کردہ نصاب کی اکثریت ایک مخصوص مقدار اور مہارت کے ساتھ گریجویٹ بنانے کے لئے تیار کیا گیا ہے ہمیں یونیورسٹیوں کے لئے حوصلہ افزائی میں تبدیلیوں کے ذریعے فلاح و بہبود کی شراکت کی روایت کو فروغ دینا چاہئے تدریس کے عناصر جو تدریس کی حمایت کرتے ہیں - جیسے لیباریٹریز، لائبریریوں اور مواصلاتی ٹیکنالوجی کو باقاعدگی سے اپ گریڈ کرنے کی ضرورت ہے حکومت کو دیہاتی علاقوں میں واقع اعلی تعلیم کے اداروں کو مزید امداد بھی فراہم کرنا چاہئے۔

حکومت کا مقصد اقلیتی اور پسماندہ کمیونٹی کے زیر اہتمام علاقوں میں اعلی تعلیم کے اداروں کو قائم کرنا اور اعلی تعلیم میں مساوات اور شمولیت کو بڑھانا ہونا چاہئے۔

یو جی سی نے نیٹ NET جولائی 2017 کا امتحان منسوخ کر کے طلبہ برادری کو دھوکہ دیا ہے: ایس آئی او

یو جی سی نے نیٹ جولائی 2017 کا امتحان منسوخ کر کے ملک کی طلبہ برادری کو دھوکہ دیا ہے۔ گزشتہ ماہ اپریل میں جب ایس آئی او نے MHRD کے اہلکاروں سے رابطہ کیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ امتحان کچھ تاخیر سے ہوگا لیکن اب یو جی سی نے جولائی میں ہونے والا نیٹ 2017 کا امتحان ہی منسوخ کر دیا ہے۔ ہزاروں طلبہ جو کہ سی بی ایس ای نیٹ نوٹیفکیشن کا انتظار کر رہے تھے، تازہ اپ ڈیٹ ملنے کے بعد سے ہی پریشان ہیں۔ سی بی ایس ای اور یو جی سی کو اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے طلبہ کے حق میں فیصلہ لینا چاہیے کیونکہ یہ طلبہ برادری کے ساتھ دھوکہ ہے۔ یہ ملک بھر کی طلبہ برادری اور دانشورانہ ترقی پر کھلا ہوا حملہ ہے۔، ان خیالات کا اظہار ایس آئی او کے قومی صدر نحاس مالا نے کیا۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس مہینے کی شروعات میں ہی یو جی سی نے اداروں کی درجہ بندی پر قواعد وضوابط کے مسودے کے بارے میں ایک سرکلر جاری کیا تھا اور پی ایچ ڈی میں داخلہ لینے کے لئے نیٹ/سیٹ کو لازمی قرار دیا تھا۔ ایسے حالات میں سال میں دو بار منعقد ہونے والے یو جی سی نیٹ کے امتحان کو منسوخ کرنا طلبہ برادری کے اندر مایوسی اور غصے کو بڑھا سکتا ہے جس سے ملک کی دانشورانہ صلاحیتوں کا نقصان ہوگا۔

شمالی ہند تعلیمی مہم کے دوران ایس آئی او کی پریس کانفرنس

شمالی ہند تعلیمی مہم کے دوران ایس آئی او کے سیکریٹری برائے تعلیم توصیف میڈیکری نے اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ سے الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کے نفاذ کا مطالبہ کیا جس میں کورٹ نے تمام ہی سرکاری افسران کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو محض سرکاری اسکولوں سے ہی تعلیم دلوائیں۔ توصیف میڈکری نے دوران گفتگو بتایا کہ اگست 2015 میں یہ فیصلہ جاری کیا گیا تھا، جس کو یو پی کی گذشتہ حکومت نے نافذ نہیں کیا، اور موجودہ حکومت کو اس فیصلے پر عمل در آمد کرنا چاہئے۔ مزید ایس آئی او کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ ریاست کے تمام ضلعی اسپتالوں کے ساتھ میڈیکل کالج بھی قائم کیا جائے۔ اسی طرح ہر سال مدرسہ سے ہزاروں فارغین کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرز پر ریاست کی تمام ہی یونیورسٹیوں میں، مدرسہ فارغین کے داخلے کا انتظام کیا جائے۔

دہلی مائناریٹی کمیشن کے نومنتخب چیرمین جناب ڈاکٹر ظفر الاسلام خان صاحب کو ایس آئی او کے پروگرام میں دعوت خطاب دی۔ موصوف نے ملک میں اقلیتوں کے مسائل کے حوالے سے گفتگو کی۔ بعد ازاں صدر تنظیم جناب نحاس مالا نے موصوف کی خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ امیر جماعت مولانا جلال الدین عمری صاحب نے پروگرام کی صدارت فرمائی۔

ہجومی تشدد کے خلاف ایس آئی او کی ملک گیر سرگرمیاں

ایس آئی او حیدرآباد نے بعد نماز عید دستخطی مہم چلائی

ایس آئی او تمل ناڈ کے ذمہ داران دوران احتجاج میڈیا کے نمائندوں خطاب کیا

مرکزی رابطہ عامہ کے ذمہ دار اظہرالدین نے ورنگل کے ایم پی، ایم ایل اے ودیگر ذمہ داران سے اس ضمن میں ملاقات کی

ایس آئی او کیرالا نے دوران احتجاج مختلف مقامات پر حافظ جنید کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی

ایس آئی او یوپی سینٹرل کے وابستگان نے بعد نماز عید احتجاجی مظاہرہ کیا

ایس آئی او چھتیس گڑھ کے وابستگان نے بعد نماز عید احتجاجی مظاہرہ کیا

مرکزی ورکشاپ بعنوان "سماجی علوم میں تحقیق کا طریقہ کار" (Research Methodology in Social Science)

ایس آئی او ہیڈکوارٹر، دہلی میں سہ روزہ ورکشاپ بعنوان "سماجی علوم میں تحقیق کا طریقہ کار" منعقد کیا گیا۔ جس میں ملک کے مختلف حصوں سے نوجوانوں نے شرکت کی۔ پہلے دن جناب جاوید ظفر صاحب نے تحقیق کیوں اور کیسے اس عنوان پر طلبا کی رہنمائی فرمائی اور ڈاکٹر محمد رفعت صاحب نے اسلامی نظریہ علم و تحقیق کی وضاحت کی۔ بقیہ دو روز شرکاء ورکشاپ نے مختلف گروپس میں ریاستوں کی درسی کتب کا تحقیقی نقطہ نظر سے تجزیاتی مطالعہ کیا اور اپنے نتائج پیش کئے۔

خان عرشیہ شکیل

تمام عالم اسلام میں عید الفطر اور عید الضحیٰ بڑے جوش وخروش سے منائی جاتی ہے۔مختلف ممالک اپنے کلچر کے مطابق عید کی خوشیاں مناتے ہیں۔عید کی نماز اور قربانی کا طریقہ سبھی کا ایک جیسا ہوتا ہے۔لوگ صبح سویرے نہا دھو کر نئے کپڑے پہنتے ہیں۔خوشبو لگاتے ہیں اور عید گاہ جا کر دو رکعت نفل نماز زائد تکبیر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔نماز کے بعد دُعا کا اہتمام کیا جاتا ہے۔رب العزت کی بارگاہ میں نیاز مندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد لوگ ایک دوسرے سے مل کر عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔

قربانی ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ جب اللہ نے اپنے بندہ کو آزمائش میں ڈالا تو وہ اس آزمائش میں پورے اترے۔واقعہ یوں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مسلسل تین دن تک ایک خواب دیکھا جس میں وہ اپنے ہاتھوں اپنے فرزند کو قربان کر رہے تھے۔انھوں نے جب اپنے بیٹے سے اس کا تذکرہ کیا تب فرمانبردار بیٹے نے کہا۔ابّا جان آپ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کیجیے۔آپ یقینا مجھے صابروں میں پائیں گے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ میدان میں پہنچے اور اپنے آنکھوں پر پٹی باندھی اور بیٹے کی گردن پر چھری پھیری اور جب آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو دیکھا کہ بیٹا کھڑا مسکرا رہا تھا اور بیٹے کی جگہ مینڈھا قربان ہو چکا ہے۔

سورۃ الصّافات آیت نمبر ۱۰۴ سے لے کر ۱۰۸ تک قربانی کا ذکر آیا ہے''اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف وتوصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔''

قربانی اس بات کی علامت ہے کہ ہم اپنے رب کی کبریائی کو تسلیم کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سورۃ الحج (آیت نمبر ۳۴) میں اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمہاری پرہیزگاری اور خدا ترسی پہنچتی ہے۔''

آج ہم دیکھتے ہیں کہ عید کی اصل روح کو ہم نے بھلا دیا۔ہمارے بیچ یہ مقابلہ آرائی جاری رہتی کہ کس کا بکرا زیادہ قیمت پر خریدا گیا۔کس نے دو بکرے ذبح کرے تو میں چار قربان کروں۔اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ دو تین دن پہلے بکرے خریدے جانے اور ان کو گلے میں ہار ڈال کر گھمایا جاتا گویا اپنی دولت کی نمائش کی جاتی ہے اور عید کے دن ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں گھومنا پھرنا، میلے جانا، فلمیں دیکھنا وغیرہ کو عید کی خوشی سمجھتے ہیں اور کھلے دل سے اس طرح کے سیر وسپاٹے میں حصہ لیتے ہیں۔

اگر چہ کہ عید خوشی کا دن ہے،لیکن خوشی بھی سلیقے سے ہو اس طریقے پر جو اسلام سکھاتا ہے لیکن افسوس کا مقام ہے ہماری نوجوان نسل دین سے ناواقف ہے۔اسلام کی روح کو سمجھے بغیر عبادت کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ عبادت بس ایک کام بن کر رہ گئے۔عبادت سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ہم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

بقول علامہ اقبال : یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائے یہود

آج ہم کو حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھنا ہوگا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے تب جا کر ہم ایک اچھے سچّے مسلمان بن سکتے ہیں۔اللہ ہم سب کو تیرا اطاعت گزار اور شکر گزار بندہ بنا۔(آمین)

محبت نام ہے کس کا

مجھے تم پوچھتے ہونا۔ — اُٹھا کرتا ہے بستر سے!؟
محبت نام ہے کس کا۔۔۔؟ — تمہیں معلوم ہے آخر
چلو آؤ میں دکھلاؤں۔ — کہاں کو چل پڑا ہے وہ؟
محبت کس کو کہتے ہیں۔۔۔ — چلو معلوم کرتے ہیں۔۔۔۔
یہ دیکھو سرد موسم ہے' — صدا یہ سُن رہے ہو تم؟
گلوں پہ دیکھو شبنم ہے، — یہ جو مسجد سے آتی ہے
یہ دیکھو کچا رستہ ہے — یہ جو سب کو بُلاتی ہے
نہ کوئی بھی سواری ہے۔۔۔۔! — کہ آؤ نیند سے بہتر
ابھی سورج نہیں نکلا۔۔۔ — غاز ہے، چھوڑ دو بستر
ابھی تو گھپ اندھیرا ہے۔۔ — ''کہ سجدہ، عشق کا حاصل
ابھی تو رات باقی ہے۔۔۔ — ہے ہر اک چیز سے بہتر!!''
تمہاری نیند باقی ہے۔۔۔ — تو اب سمجھے کہ وہ بوڑھا،
مگر دیکھو وہ بوڑھا شخص — کہاں کو چل پڑا آخر۔۔۔
نکل پڑتا ہے پھر گھر سے۔۔۔ — بھلا کر نیند کو اپنی،
لرزتے ہاتھ میں اس کے — اُٹھا بستر سے وہ آخر۔۔۔۔۔۔
ہے بوسیدہ سی اک لاٹھی۔۔۔ — کیوں وہ لبیک کہتا ہے؟
نظر کمزور ہے اس کی، — موذن کی اذانوں پر۔۔۔
قدم بھی لڑکھڑاتے ہیں، — تو بس تم جان لو اتنا
وہ دیکھو ہاتھ بھی اس کے، — محبت اس کو کہتے ہیں۔۔۔
ٹھنڈ سے کپکپاتے ہیں۔۔۔ — کہو لبیک اب تم بھی۔۔۔،
بھلا پھر کیوں وہ بوڑھا شخص — اُٹھو بستر سے اب تم بھی۔
نکل پڑتا ہے یوں گھر سے — محبت تم جو کرتے ہو۔۔!!
بھلا کر نیند کو اپنی۔۔۔

ایک دوست: یار قوالی والے قوالی کے وقت اپنے کانوں پر ہاتھ کیوں رکھ لیتے ہیں؟
دوسرا دوست: تاکہ اپنی آواز وہ خود نہ سن سکے۔

بیٹا: ابّا جان! کیا آپ اندھیرے میں لکھ سکتے ہیں؟
باپ: ہاں
بیٹا: تو پھر بلب بجھا کر میری رپورٹ پر دستخط کر کے دکھائیے۔

اردو کے استاد: کوئی اچھا سا شعر سناؤ۔
شاگرد: جگر کا خون چوس لیتا امتحان کا زمانہ
کبھی سہ ماہی، کبھی نو ماہی کبھی سالانہ

پچھلے شمارے میں حرف کے خاکہ میں کچھ سوالات پوچھے گئے تھے اُس کے جوابات
(۱) جالینوس (۲) ذکریا رازی (۳) الفارابی (۴) جابر بن حیان

ادبی اشاعت
دسمبر ۲۰۱۷